
شاخ نبات

از صدائے سخنِ عشق نہ دیدم خوشتر
یادگارے کہ درایں گنبدِ دوّار بماند

شاخِ نبات

طالب باغپتی

مطبوعہ: ضیاء شمس پریس تحصیل روڈ بھلوال

جُملہ حقوق محفوظ

طبع دوم ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء

ترتیب و پیشکش ---------- پروفیسر شمس العابدین قریشی
گورنمنٹ کالج بھلوال

کتابت ---------- نصیر احمد خوشنویس سرگودھا

ناشر ---------- امان طالب
۸۹-اے۔ ماڈل ٹاؤن لاہور

مطبع ---------- ضیاءِ شمس پریس بھلوال

تعداد ---------- پانچ صد

قیمت ---------- Rs 60.00

ضیاءِ شمس پریس بھلوال
قریشی بک سنٹر۔ چوک اردو بازار لاہور

انتساب

اپنے بھائی

حاجی حافظ نواب احمد سعید خان آف چھتاری

کے نام

جن کی ادب نواز

شخصیت

سے

مجھے خصوصی عقیدت تھی

طالب باغپتی

انتخاب

شاخِ نبات

(طبع دوم)

طالب باغپتی

مجموعۂ غم، وقفِ الم، نذرِ ستم یہ دو تن!
سرخیاں لکھی ہیں میری کوئی تقدیر بھی ہو!

کتبہ عبدالرحمن لاہور

پلکوں کو مسلسل جنبش ہے دو آنسو گر جائیگا
اللہ قصور معاف کرو اب شکوہ نہ لب پر آئیگا!

کتبہ عبدالرحمن لاہور



کچھ اس انداز سے ابھرتا ہے
چاند چھپ کر حسین بادل سے
جیسے بے ساختہ کوئی جھانکے
مسکرا کر سیاہ مخمل سے

ہوا جمیل

بقلم عبدالرحمن لاہور



پیشِ لفظ

از

رئیس المتغزلین حضرت جگرؔ مراد آبادی

سلسلۂ ارتقا کہہ لیجئے یا محض دائرۂ حرکت، لیکن اس میں شک نہیں کہ دُنیا آج انتہائی سُرعت کے ساتھ تغیّر پذیر ہے اور ہر شعبۂ حیات نقطۂ اجمال سے ہٹ کر تفصیل و تشریح کی طرف گامزن، ساتھ ہی ساتھ فطرتِ انسانی بھی نازک تر بنتی جا رہی ہے۔ تمدن و معاشرت کی ہنگامہ آرائیوں نے سرمایۂ امن و اعتماد، اطمینان و فرصت اس حد تک ہم سے چھین لیا ہے کہ رُوحانی مطالبات کی ادائیگیٔ فرض تو درکنار مادی ضروریات کا بھی پورا پورا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔

انِ حالات کے ماتحت "اظہارِ خیال" زیادہ سے زیادہ مختصر پیرایۂ بیان میں اور تا امکان جامع اشارات کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی اپنے ذاتی اعتماد کی بنیاد پر قریب ترین لمحاتِ حالیہ کے متعلق مستقبل کا معاملہ تو بقول ڈاکٹر اقبال یہ ہے کہ :- "محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی؟"

صورتوں کے اختلافات کی بنا پر مزاجی و معنوی اختلافات لازمی اور بدیہی ہیں، اس لئے مذاقِ طبیعت کی باہمی یکسانیت و یکرنگی طلسم وہم سے زیادہ کچھ نہیں۔ ایک صاحب الرائے، صاحبِ بصیرت، صاحبِ اجتہاد اور منفرد شخصیت اپنی ہی دُنیائے فکر و نظر کے ماتحت اپنا زاویۂ نگاہ جدید اصول و نظریات کی صُورت میں (حالانکہ کوئی نظریہ و اصول نیا ہو ہی نہیں سکتا) پیش کرتی ہے اور اپنی ہی دُنیائے خیال کی مناسبت سے دلائل و براہین کا سرمایہ بہم پہنچاتی ہے اور چاہتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعدادِ انسانی اس کی ہمنوا اور ہم خیال بن جائے۔ یا بالفاظ

دیگر اپنی ذاتی انفرادیت و شخصیت کو اسکی انفرادیت و شخصیت میں محو و فنا کر دے، گویا یہ ایک باطنی عدم اعتمادی اور ایک کربِ نامرادی ہے جو دوسروں کی تصدیق و تائید، تغلیط و تردید کا منتظر و محتاج رہتا ہے اور ان کی موافقت و مخالفت سے تسکینِ بے قرار یا بیقراریٔ تسکین کرنا چاہتا ہے۔

میں نے اعتراف و انکار دونوں صورتوں کو ایک ہی فائدے کے لئے استعمال کیا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اعتراف و انکار کا راز استیلا و تسلط ہی کی ہمہ گیریوں اور کرشمہ کاریوں میں مضمر ہے اور اس اعتراف و انکار کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ حقیقتِ کاملہ اگرچہ وہ نقطۂ انفصال ہے جسے اصطلاحِ صوفیہ میں مقام جمع الجمع کہا جاتا ہے۔ جہاں نہ مجالِ بحث ہے نہ محلِ اختلاف، لیکن جزوی حیثیت سے اسکی شاخیں یا حقائق منتشرہ تمام تر مختلف، متضاد اور لا انتہاد واقع ہوئے ہیں۔

ان صداقتوں کو سامنے رکھ کر کسی طرح دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ افکارِ طالب کے متعلق جو کچھ نقد و نظر کی صورت میں پیش کیا جائے گا یا شعر و ادب کے ذیل میں جو مباحث سامنے آئیں گے ان کا فیصلہ ایک ایسا فیصلہ ہو سکے گا جس کے متعلق اختلاف ہی نہ کیا جا سکے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں نے ذاتی طور پر جس حد تک شعر و ادب کو سمجھا ہے یا طالب یا کلامِ طالب کے بارے میں جو میری اپنی رائے ہے اُسے دیانت کے ساتھ پیش کر دینا میرا فرض ہے۔ اس سے زیادہ کا نہ مجھے ادعا نہ اصرار کہ میری اس پیش کش کو حسنِ قبول ہی بخشا جائے۔ وما توفیقی الاّ باللہ۔

شعر حقیقتاً شاعر کی ذہنیت کا ایک سایہ ہوتا ہے اور اس کے قوائے متاثرہ کا ایک نقشِ مرئی اس لئے اگرچہ شعر و ادب کے تجزیات سے بھی شاعر کی حقیقی استعداد بے نقاب کی جا سکتی ہے۔ لیکن بحالاتِ موجودہ یہ طریقہ خطراتِ بہیم کے اُلجھے ہوئے سلسلے سے کم نہیں۔ تکلفات و تصنعات کی آمیزش سے قدرتِ فن و مہارت نے وہ وہ کمالات کر دکھائے ہیں کہ اصل و نقل میں امتیاز قائم کرنا تو درکنار اکثر و بیشتر اصل پر نقل اور نقل پر اصل کا یقین ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان مشکلات سے

عہدہ برآ ہونے کا محفوظ و مناسب طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ شاعر کے شعر و ادب سے تو اس کا مرکزِ خیال (PITCH OF THOUGHT) اور مزاجِ شعری دریافت کیا جائے۔ اور شاعر کی عملی اور ذہنی زندگی سے وجدانِ عشقی یا وجدانِ تعقلی کے ماتحت اس کے شعر و ادب کو جانچا جائے کہ ہستیٔ شاعر ہی ان تاثرات کا مصدرِ اولین ہوا کرتی ہے۔

میں نے جناب طالب کا کلام خود ان کی زبانی سُنا ہے، اپنی نگاہوں سے دیکھا ہے اور باوقات مختلف خلوت و جلوت میں ان کی فطرت کا مطالعہ بھی کیا ہے، اس لئے سو فیصدی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اخذِ نتائج میں دھوکہ نہیں کھایا اور جو کچھ آئندہ صفحات میں پیش کروں گا، اسی علم و اعتماد کے بھروسے پر۔

شاعر کی تعریف کیا ہے؟ شعر کسے کہتے ہیں؟ جناب طالب کی ذہنیت و استعداد شعری نزاکتوں سے کہاں تک مناسبت و مطابقت رکھتی ہے؟ اور ان کی زندگی و ادب میں کس حد تک کس قسم کا توازن و امتزاج پایا جاتا ہے؟

ان سوالات کے جواب میں اپنے نتائجِ فکر یہ حاضر کیئے دیتا ہوں۔

شعر کی مختصر اور جامع ترین تعریف شاعر کا ذاتی تاثر و وجدان ہے، جو اس کی فطری استعداد عشق و جمال اور وسعتِ ظرف کی مناسبت سے کبھی بے قصد و بے ارادہ اور اکثر متخیلہ کی تحریکات سے صورتِ شعری اختیار کر لیتا ہے۔ اس "صورتِ شعری" اور "نغمہ" میں کچھ زیادہ فرق نہیں، خواہ موزونیت و مناسبت عام طور پر تسلیم کی جائے یا نہ کی جائے اسلئے کہ موزونیت اور جمالی تاثر و وجدان دو جداگانہ چیزیں نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ عوام کا معیارِ تنقید وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ شاعر کے اسی تاثر و وجدان سے شاعر کی انفرادیت اور شخصیت بنتی ہے اور اسی انفرادیت و شخصیت کے ماتحت جو چیز ہو گی اسے جدت و ندرت سے تعبیر کیا جائے گا۔ اس موقعہ پر شاعر کے متعلق اپنے ان خیالات کا اعادہ کئے بغیر چارۂ کار نہیں پاتا جنھیں مینجر صاحب جامعہ ملیہ دہلی کی تحریک پر مقدمۂ "انتخاب داغ" میں قلم بند کر چکا ہوں، وھوھذا:

"شاعر کا دل شدید الاحساس ہوتا ہے، لاجونتی کی طرح معصوم و نازک، دماغ

سریع الفکر بجلی کی مثال سبک خرام و تیز رو، نگاہ مجسم شوق، رندِ تشنہ لب کی مانند بیقرار و مضطرب۔ شاعر ہمہ محبت و ہمہ اعتراف ہوتا ہے، وسیع المشرب، رفیع الخیال، رنگین مذاق سادہ مزاج، بے نیاز و آزاد، قومیت و وطنیت کی حدود سے بھی بالاتر، بظاہر عام انسانوں کی طرح وہ بھی حوادث کدۂ عالم سے گھبرا اٹھتا ہے، اکثر شکوہ سنج بھی نظر آتا ہے۔ وہ بعض حقائق کو قبول کرنا چاہتا ہے اور بعض کو رد، لیکن ابھی ابھی جن واقعات و واردات سے بیزار و دلگیر نظر آتا تھا، دوسری ساعت میں اُنہی واقعات و واردات کا آرزو مند بھی۔" مختصر یہ کہ شاعر حسن و عشق کی وجدانی و وارداتی دُنیا میں رہ کر صرف اپنے ہنگامی تاثرات کا پابند ہوا کرتا ہے، وہ جہاں کہیں آمادۂ اختلاف نظر آتا ہے اُسے محض وقتی و اعتباری سمجھنا چاہیئے۔

عام حیثیت سے تمام فنونِ لطیفہ اور خصوصیت کے ساتھ شعر و نغمہ اپنے اندر انتہائی قوت پرواز رکھتے ہیں اور دوسرے قلوب کو بھی ساتھ اڑالے جانے کی استعداد، یہ کافی دلیل ہے اس حقیقت واقعیت کی کہ دراصل فنونِ لطیفہ کا بیش از بیش تعلق عالم روحانیات سے ہوتا ہے اور کم از کم دُنیائے مادیات سے، اس لئے فنونِ لطیفہ کو مادی فوائد کے لیے آلۂ کار بنا لینے کی کوشش ایسی ہی ہے جیسے کسی شاخِ گل سے تلوار، یا کسی آہ زیرِ لب سے تیر و تفنگ کا کام لینا ——— !

شاعر، فلسفی، پیغمبر اور سائنٹسٹ میں جو کچھ مابہ الامتیاز فرق ہے وہ صرف اس قدر کہ پیغمبر عالم مادیات و روحانیات دونوں کا راز داں ہوتا ہے، وہ بالعمل کبھی شاعر نہیں ہوتا بالقوی ہو تو ہو۔ یہی سبب ہے کہ تمام تر صحفِ آسمانی اگرچہ اپنے اندر انتہائی جاذبیت رکھتے ہیں لیکن شاعر کا دیوان بن کر سامنے نہیں آئے۔ شاعر تا امکان دُنیائے مادیات کو ٹھکرا دینا چاہتا ہے اور چونکہ قدرت کے عطیات کی توہین خود قدرت کی توہین ہے اس لئے جس حیثیت سے توہین کی جاتی ہے اُسی مناسبت سے اس کی زندگی کو بھی سزاً ناکام و نامراد بنا دیا جاتا ہے۔ شاعر

صرف رُوحانی یا ذہنی سرمستیوں میں ڈوب جانا چاہتا ہے۔ اُسے غرقِ شراب ہو کر بس کرنا نہیں آتا، بیچارہ فلسفی اور سائینٹسٹ شراب کی صرف ذہنی و مادی تحلیل پر ہی اکتفا کر جاتا ہے ——— یُوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ شاعر ہر چیز کا مطالعہ محض روحانی نقطۂ نظر سے کرتا ہے اور فلسفی یا سائینٹسٹ کو شاید ہی اس سے کوئی وابستگی معنوی ہو۔

جناب طالبؔ سلیم الفطرت، وسیع المشرب، لطیف الخیال انسان واقع ہوئے ہیں متاثر ہونے والا دل و دماغ رکھتے ہیں، رنگینی و رعنائی کے ساتھ ساتھ بہت سادہ مزاج تکلّفات و تصنعات سے بڑی حد تک کنارہ کش۔ اگرچہ مجھے تفصیلی طور پر معلوم نہیں لیکن یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان کی زندگی رازدارِ حسن و عشق بھی ہے۔

جناب طالب کے تمام تر کلام میں ان کی یہ تمام تر خصوصیّات زندگی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں اور ان کے بیشتر رشحاتِ فکریہ سے یہ صداقتیں بالکل واضح و نمایاں نظر آتی ہیں۔ اُنہوں نے شعر و ادب کو حسن و عشق کی نازک نازک واردات، لطیف لطیف جذبات و محاکات و نفسیات و خیالات تک محدود رکھا ہے۔ ان کے کلام میں حکیمانہ حقائق و معارف بھی ہیں لیکن بیش از بیش چاشنیٔ حسن و عشق اور رنگین پیرائیہ بیان کے ساتھ، خشک پیرائیہ بیان کے ساتھ اگر ہیں بھی تو برائے نام۔ نظم نگاری کو میں ایک مستقل فن کی صُورت میں نہیں دیکھ سکتا بلکہ اس قسم کے جملہ اصنافِ سخن کو مشرقی کلچر کے منافی سمجھتا ہوں اور مغربی ذہنیّت کی تقلیدِ محض یا حکومت کے اثراتِ استیلا و تسلط جنہوں نے دراصل ہماری داخلی شاعری کا رُخ قطعاً خارجی شاعری کی طرف پھیر دیا ہے۔ تاہم چونکہ یہ بلا عام ہو چکی ہے اور اب اسے کسی طرح روکا نہیں جا سکتا اس لیئے ہمارا حکیمانہ اور ادیبانہ فرض یہی رہ جاتا ہے۔ کہ اسے قبول و اختیار تو کیا جائے لیکن ایک ایسی شکل میں کہ مشرقی و مغربی مذاق ادب میں یک گونہ امتزاج بھی پیدا ہو جائے اور روحِ مشرقیت بھی زندہ و باقی واضح و نمایاں رہے۔

جناب طالب کی فطرتِ صالحہ نے یقیناً اس راز کو سمجھا، عام رجحانات کے مطابق

اگرچہ انہوں نے بھی نظمیات کی طرف کافی توجہ صرف کی ہے لیکن وہ بھکنے نہیں پائے اور کسی جگہ مشرقی خصوصیات کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ ان کے کلام میں جہاں کہیں مغربی خیالات ہیں، مشرقی رنگِ انشا میں ڈوبے ہوئے اور حسنِ اندازِ بیان میں مغربیت آگئی ہے اس میں روح جذبات مشرقی خصوصیات کی حامل، یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ مغربی خیالات کو محض خشک ترجمے کی صورت دے دی گئی ہے یا بغیر تاثر و وجدان کے انہیں قبول کر لیا گیا ہے۔

یہ بھی جناب طالب کی قادر الکلامی اور خوش مذاقی کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو قومی لیڈر کی حیثیت سے کبھی پیش نہیں کیا اور نہ کبھی ناصحِ مشفق کی صورت میں سامنے آئے کہ ایک سچے شاعر کی دنیا اس سے کہیں زیادہ وسیع و بلند ہے۔ میں سرے سے قومی شاعری کو بُرا نہیں سمجھتا بلکہ جہاں تک چیزوں کا اُن کے صحیح محل و مقام تک تعلق ہے ان میں سے ہر ایک چیز کو اپنی جگہ لازمی و ضروری سمجھتا ہوں لیکن سوال تو یہ ہے کہ فطرت کی جانب سے شاعر پر یہ فرض رہبری عائد بھی ہوتا ہے۔ یا نہیں؟ اور ایسا شاعر جو اپنے آپ کو قوم و ملک کی ترقیات و انقلابات کا بہت بڑا ذمہ دار بناتا ہے کہاں تک اپنے اندر صداقتِ عمل رکھتا ہے؟ اور کس حد تک اس کے کردار و گفتار میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے؟ کہ دراصل یہی چیزیں عملی انقلاب پیدا کرنے کی طاقت و اہلیت رکھتی ہیں۔ کیا کبھی ممکن بھی ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ خواہ زندگی میں عمل کی صداقت موجود نہ ہو لیکن محض چند رنگین و لطیف، نازک و دلکش، یا پیش پا افتادہ فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعہ قوم و ملک کو قعرِ مذلت سے اچھال کر معراجِ کمال تک پہنچا دیا جائے؟

یہ محل نہیں کہ اس موضوع پر کسی بسیط نقد و نظر کا آغاز کیا جائے، اس لئے صرف اتنے ہی اشارات کے بعد جناب طالبؔ کی سلیم الفطرتی کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ انہوں نے اس عام ہڑ لونگ سے خود کو محفوظ رکھا اور جو کچھ کہا حال کہا، اپنے حدود میں کہا اور اکثر و بیشتر مقامات پر بے پناہ کہا۔

جناب طالب کے کلام کا جائزہ لے جایئے، شاید ہی کہیں محض ناصحانہ و رہبرانہ پندار و انداز کے ساتھ انہوں نے اپنی نمائش کی ہو۔ ان کے کلام میں حکیمانہ مضامین بھی ہیں لیکن وہ دفتر نصائح کھولنے نہیں بیٹھ جاتے بلکہ خود متکیف و متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا یہی تکیف و تاثر شعر بن کر نمایاں ہو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب طالب نے فطرت انسانی اور کائنات کا مطالعہ بہت ہی خاص نگاہ و توجہ سے کیا ہے۔ انہوں نے خوب سمجھ لیا کہ اس مصیبتِ عظمیٰ کو کبھی برداشت نہیں کیا جا سکتا کہ جب دیکھئے ایک اچھا خاصا انسان قومی شاعر کی صورت میں لیڈر بن کر ناصح مشفق کے فرائض انجام دے رہا ہے۔

اخلاقی مضامین ہوں یا حکیمانہ غوامض، معاملاتِ حسن و عشق ہوں یا محاکات و جذبات، انہوں نے صرف امکانات یا قیاسات یا تقلید و تائید کی بنا پر کچھ نہیں کہا بلکہ سوچ سمجھ کر، محسوس کر کے بصیرت و فراست کے ماتحت۔ ان کے کلام میں لفظی و معنوی نغمگی بھی ہے، زور بیان بھی، اختراع و تنوع بھی ہے۔ جدت و ندرت بھی اس لئے ان کی انفرادیت اور شخصیت کا اعتراف کرنا ہر صاحب انصاف کا فرض ہے۔ ان کے شعر و ادب میں ان کی زندگی محسوس طور پر پائی جاتی ہے اور زندگی ہی ہوا کرتی ہے جو شاعر کے کلام کو زندہ جاوید بنا دیتی ہے۔

شاعر کی شاعرانہ لغزشوں کو نمایاں کرنا بھی ایک ناقد کے فرائض میں داخل ہے، لیکن اس فرض کا حق ادا کرنے کے لئے دنیا بھری پڑی ہے۔ میرے نزدیک تو معائب کی تلاش و جستجو بھی معائب سے کم نہیں۔ تاہم بادلِ نخواستہ چند اشارات پیش کئے دیتا ہوں:-

طالب ہی پر موقوف نہیں، کوئی انسان ہے جسے دعوئِ یکتائی و بےعیبی ہو سکتا ہے۔ اور بجز انبیائے معصومین کے کس کی زندگی ہو سکتی ہے جس کا کوئی نہ کوئی رُخ کمزور نہ ہو؟

جناب طالب وہبی ملکۂ شعری لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ حاصل کیا ہے۔

وہ مبدا فیض سے۔ کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا۔ دورِ حاضر میں عام طور پر طریقۂ شاگردی واستادی نہایت خطرناک حد تک پہنچ چکا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو استاد جو کچھ اصلاح کر سکتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ لفظی اور معنوی حد تک۔ خود شاگرد کی فطری استعداد و مزاج کو تبدیل کرنا اس کے اختیار سے باہر ہے۔ موجودہ زمانے میں خصوصیت کے ساتھ گروہ اساتذہ اخلاقی معیار سے قطعاً گر چکا ہے۔ نہ صرف عملی حیثیت سے بلکہ ذہنی اعتبار پر بھی، عام طور پر گروہ بندی، حصولِ داد اور حصولِ داد کے ماتحت تمام لغو ترین حرکات —— یہی چیزیں ہیں جو اساتذہ کی فطرتِ ثانی بنی ہوئی ہیں۔ اور یہی مجرمانہ جراثیم ہیں جو وہ اپنے شاگردوں میں بھی منتقل کرتے رہتے ہیں اندریں حالات اگر جناب طالب نے اپنے آپ کو اس ابتلا و امتحان میں ڈال دینا پسند نہیں کیا اور اس کمی کی وجہ سے ان کے کلام میں چند لفظی اسقام باقی رہ گئے تو میں اُنہیں قابلِ مبارکباد سمجھتا ہوں نہ کہ لائقِ تعزیہ، بے شک بعض بعض مقامات پر ان سے لفظی لغزشیں ہوئی ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ دنیائے نقد و نظر لفظی مباحث اور مکتبی دور سے کہیں آگے نکل چکی ہے اور اب جو چیز اہم رہ گئی ہے۔ وہ صرف معنویت، شعریت اور نغمگی۔

میں دیکھتا ہوں کہ ان میں سے کسی حیثیت سے بھی ان کے کلام میں کوئی کمی نہیں ہے۔ دوسرا اعتراض جو ان کے کلام پر کیا جا سکتا ہے وہ ان کی متشائم قسم کی شاعرانہ خصوصیت ہے۔ دراصل مسرور یا مغموم جذبات کا تعلق خود شاعر کی استعدادِ مزاجی اور حالات و واقعات سے ہوا کرتا ہے نہ کہ دوسرے کے جذبات و واردات یا مصالحِ ملکی وملی سے۔ حالات کے ماتحت جو شاعر کا مزاج بن چکا ہے وہ اکثر و بیشتر ہر چیز کو اسی اسپرٹ کے زیرِ اثر قبول کرے گا۔ مسرت وغم دونوں عطیاتِ فطرت ہیں اور دونوں دو مختلف اسپرٹ اپنے اندر رکھتے ہیں، دیکھنا یہ نہیں کہ شاعر مغموم جذبات پیش کرتا ہے یا مسرور، بلکہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ شاعر نے جو کچھ کہا ہے محسوس کر کے کہا ہے یا نہیں۔

جناب طالب حقیقتاً" درد مند طبیعت رکھتے ہیں، سوز و گداز ان کی سرشت ہے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اپنی اُفتادِ طبیعت کے خلاف بہک سکیں ؟

مجھے ذاتی طور پر طالبؔ کے کلام میں کوئی کمی محسوس ہوئی تو یہ کہ ان کی دُنیائے عشق و محبت کا مرکز اکثر و بیشتر حسنِ مجاز ہے اور حسنِ مجاز ہی کی جزئیات و تفصیلات یقیناً یہ ایک قسم کی کمی ہے لیکن یہ کمی اس تفصیل سے کہیں زیادہ قابلِ ستائش و پذیرائی ہے۔ جس کی بُنیاد محض نقالی اور قدرتِ لفظی پر قائم ہو، دورِ حاضر میں یہ فریب اس قدر عام ہو گیا ہے کہ الاماں! جسے دیکھئے وہ فلسفہ و منطق لئے بیٹھا ہے، اقوام عالم کے مسائل حل کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ ان میں سے کسی ایک کا بھی صحیح معنوں میں راز دار نہیں ؟

جناب طالب کے لئے یہ فخر کم نہیں کہ ان کا کلام ان کے سچے جذبات کا آئینہ دار ہے، انہوں نے نہ اپنے نفس کو دھوکا دیا ہے نہ دوسروں کو۔ حقیقت و صداقت، نغمگی و تاثر، مصوری و فلسفہ وغیرہ یہ تمام محاسن ان کے کلام میں بھرے پڑے ہیں، اور جہاں جہاں حکیمانہ معارف ہیں وہ بھی وجدان تعقل کے ماتحت۔ مجھے حصۂ نظم کی طرف پوری توجہ کرنے کا موقعہ نہیں ملا لیکن اکثر مقامات پر بے اختیار دل تڑپ تڑپ گیا ہے، ندرت و جدت کے ساتھ مصوری و محاکات کی بیشتر مثالیں بے پناہ ہیں۔ حسبِ ذیل نظمیں جن کا علیحدہ علیحدہ عنوان معہ خصوصیات پیش کر دیا گیا ہے۔ خاص طور پر جاذب توجہ ہیں :-

نظائر و بصائر کے ماتحت ـــــ "خدا کیا ہے ؟" "بارگاہِ حسن" "حسن و عشق"

واردات و جذبات کے ماتحت ـــــ "تعزیرِ شباب" "کہاں جا رہے ہو ؟" "آ جا"

فطرت و محاکات کے ماتحت ـــــ "دہقانی لڑکی" "وہ جاگے" "فاختہ"

مناظر و مصوری کے ماتحت ـــــ "برسات" "بسنت" "ساون کی اندھیری راتوں میں"

کاہلی کے مشاغل فرصت نہیں دیتے کہ جناب طالبؔ کے کلام کی صوری و معنوی خوبیاں ایک ایک کر کے پیش کر سکوں، اور مجھے یہ عام روش پسند بھی نہیں کہ ہر شعر پر

عملِ جرّاحی کر کے اُس کے محاسن کو برباد کیا جائے اور اُن معنوی نزاکتوں کا خون روا رکھا جائے جو کسی تشریح و تفصیل یا لفظ و بیان کا بار نہیں اُٹھا سکتیں۔ اس لئے چند خاص خاص عنوانات کے ماتحت کلام طالب کا جستہ جستہ انتخاب پیش کر دینا ہی کافی سمجھتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے کس قدر بلند پایہ اشعار ہیں ۔

الٰہیات

جمالِ یار تو منت کشِ حجاب نہ تھا ؛ نقاب پردۂ ادراک تھا، نقاب نہ تھا!

نعرۂ لبیک سے لرزاں نفس کا ساز ہے ؛ دِل دھڑکتا ہے کہ تیری مضطرب آواز ہے؟!

ہر شے میں تجھے پایا، میں دید سے باز آیا ؛ یہ تو تیرے جلووں کو پابند بناتا ہے!

آنکھ سے اوجھل ہو کر دل کو اپنی یاد دلاتی ہے ؛ دل ہی میں آ بیٹھے ہو۔ یہ اور قیامت ڈھاتی ہے!

ایک جلوے کو بہ ہر رنگ تماشا کرنا ؛ کیا یہی ہے نگہِ شوق تمنّا کرنا!؟

اک تماشا ہے محبت میں خدا کا دیدار ؛ اک حقیقت ہے محبت کا خدا ہو جانا!

بصائر و حکمت

نہاں ہیں سیکڑوں سورج حقیر ذروں میں ؛ بلند کر کے ذرا دیکھ مطمحِ نظری!

نقش و نگارِ رنگیں سب ہیں فریبِ خواہش ؛ بازیچۂ فنا ہے ہنگامہ زارِ ہستی!

طالب اگر نظر نہ ہو پامالِ خواہشات ؛ ہر لمحہ برقِ طور ہے حسنِ مجاز کا!

سمجھ نہ اپنے کو نقشِ فانی ؛ دکھا کوئی کارِ غیر فانی

کہ وقفۂ عمر رفتنی ہے ؛ یہ زندگی عارضی نہیں ہے

یوں بھی اک جبرِ مسلسل کی ہے تمثیل حیات ؛ ایک مجبوری آخر کو قضا کہہ دیجے!

اُمید اسیری کی میعاد بڑھاتا ہے

خواہش تری کاوش میں جلنے کا بہانہ ہے۔

رُباعی

مدہوشِ خیال کس طرف بہکا ہے؟ ❊ دُنیا کو پسِ نقاب کیا سمجھا ہے؟
تیری ہی نگاہ نور بھر دیتی ہے! ❊ ہر مہر فریب، ہر قمر دھوکا ہے!

ہر لمحہ عذاب عمرِ فانی کے لئے ❊ ہر فعل گناہ، نوجوانی کے لئے!
مطلق غم و جبر سے عبارت ہے مگر ❊ دُنیا مرتی ہے زندگانی کے لئے!

نفسیاتِ عشق

آپ کے تسکین دینے سے تو بڑھتی ہے خلش ❊ آپ جب بے چین ہوتے ہیں ٹھہر جاتا ہے دل
خیال ہی اُنہیں جب وقف کر دیا اے دوست ❊ تو پھر وہ آئیں نہ آئیں، وفا کریں نہ کریں
اُن کی نظریں ہی نہیں برق فگن نو مزاج ❊ خرمنِ ہستیِ عاشق بھی ہے کچھ طور مزاج
جب دل کو کوئی وجہِ شکایت نہیں رہی ❊ میرے خیال میں تو محبّت نہیں رہی!
مانا ہزار چند ہیں اب دل کی شورشیں ❊ وہ ابتدائے درد کی لذّت کہاں ہے اب؟
مختلف ہو گئیں گو زیست کی ظالم راہیں ❊ جادۂ عشق پہ دو روح ہیں ہم گام ہنوز

جذبات و واردات

ادھر بھی تم اُدھر بھی تم، یہاں بھی تم وہاں بھی تم ❊ یہ تم نے کیا قیامت کی نگاہوں سے نہاں ہو کر!؟
آ! مرے زود و فراموش دکھادوں تجھ کو ❊ نقش ہیں دل پہ وہ باتیں جو تجھے یاد نہیں!
تم ہو کہ ماہِ کامل؟ اب یہ کسے خبر ہے؟ ❊ فرقت کی رات ہم ہیں اور چاند کا سفر ہے!
تو نگاہوں کو نہ تکلیفِ پشیمانی دے ❊ درد کم ہو نہیں سکتا تو فراواں کر دے!

ہر چند بھلاتا ہوں، بھلایا نہیں جاتا
اک نقش تخیل ہے مٹایا نہیں جاتا

فطرت و محاکات

شوخ کلیوں کا جو منہ چوم رہی ہیں کرنیں ⁂ عرقِ شرم جھلک اُٹھا ہے شبنم بن کر!
ہاں پھر وہی تبسّم محجوب زیرِ لب ⁂ عارض کی سُرخیوں میں فسانہ لیے ہوئے!
کائنات آ گئی کھنچ کر تہ خمیازۂ حسن ⁂ چشم مخمور ہتھیلی سے کوئی ملتا ہے!
ادا حجاب کے سانچے میں بن گئی تجلی ⁂ حیا نے نیم نگاہی کو بے پناہ کیا!

زبان و محاورات

وہ سامنے جو نگاہیں چرائے جاتے ہیں ⁂ یہ آج کل کے مسیحا بنائے جاتے ہیں!!
سوگواری میں حسینوں نے بڑھائے جھولے[1] ⁂ کتنی بے کیف ہے ساون کی فضا میرے بعد!
دل کا کیا مول ہے؟ شرمندہ نہ کیجے مجھکو ⁂ آپکی چیز ہے، لے جائیے، قیمت کیسی؟
ضبط کی بات بدستور نبھانا — اچھا! ⁂ تم مری موت پہ آنسو نہ بہانا — اچھا!

شوخیٔ بیان

نیچی نظریں ہوں زباں بند ہو غیروں کو سلام! ⁂ اُن کی محفل کے تو آئیں گے نہ آداب مجھے
دل کو باور نہیں آتا یہ زبانی اقرار ⁂ آپ اس "ہاں" کو نگاہوں سے ذرا کہہ دیجے
کافر کہا جو شیخ نے یاد آ گئی نماز ⁂ سجدے کئے ہزار ترے در کے سامنے!

جگرؔ مرادآبادی

بلند شہر —— ۳ فروری ۱۹۳۶ء

[1] میری نظر سے یہ محاورہ نہیں گذرا اگر واقعتہً محاورہ نہیں ہے تب بھی محاورہ بن جانا چاہیئے۔ میں اس ایجاد کو جناب طالب کا حسین اجتہاد سمجھتا ہوں۔
جگرؔ

یہ کتاب اور میں؟؟

"شاخ نبات" کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا تھا (یعنی دورِ جدید یا ترقی پسند تحریک سے قبل) بعض اہلِ ذوق احباب کا اصرار رہا کہ دوسرا ایڈیشن شائع کراؤں، لیکن حالات کے ماتحت اب میری دوسری ذمہ داریاں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ میرے لئے اس کام کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی۔ شاخ نبات کی طباعت کے وقت شعر و ادب کے حلقوں اور ملک کے معروف علمی و ادبی ماہ ناموں میں ایک جانے پہچانے آدمی کی حیثیت سے مسلسل میری نظمیں، غزلیں، افسانے اور ترجمے وغیرہ شائع ہوتے رہتے تھے۔ ان ماہ ناموں میں نگار، ہمایوں، بہارستان، نیرنگِ خیال عالمگیر، زمانہ، پیمانہ، مرقع اور ادبی دنیا وغیرہ شامل تھے، لیکن اب یہ اتنی دور کی بات ہو گئی ہے کہ دورِ حاضر کے لئے یہ سب نام اجنبی ہیں اور نگار کے علاوہ جو نیاز صاحب کے بعد بھی بفضلہٖ زندہ ہے، اور سب ہی رسالے اور ان کے مدیر داستانِ پارینہ بن چکے ہیں اور ان کے ساتھ طالب باغپتی کا نام اور کلام بھی لیکن طالب کسی نہ کسی طرح زندہ رہ جانے کی ہمت کر گیا (جیسے نگار!) اور ہزار موانعات و مصروفیات کے باوجود کبھی نہ کبھی، کسی نہ کسی چور دروازے سے، کوئی نہ کوئی شعر ضرور اُسکے وجدان و فکر میں دراندازی ہوتا رہا ——— "چھٹتی نہیں ہے مُنہ سے یہ کافر لگی ہوئی" کہا تو ہے شاعر نے شراب کے لئے مگر شاعری کے لئے بھی اُتنا ہی سچ ہے جتنا شراب کے لئے مرزا غالب نے اس کے ایک اور پہلو کو روشن کیا ہے

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما

غالب کی تعلّی سے قطع نظر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ شعر کہا نہیں جاتا بلکہ

کہیں آم کے دَرختوں پہ پُکار کوئیلوں کی
کہیں سَرو کی قطاروں میں چکور کی کہانی!

کہیں جامنوں کے سائے میں قمر وشوں کے جھمگٹ
کہیں موسمی ترانوں میں حکایتِ جوانی!

کہیں دامنِ گلُستاں پہ نقوشِ دستِ فطرت
کوئی پھُول آسمانی کوئی پھُول زعفرانی!

نہ گھٹاؤں نے چھپائی نہ فضاؤں نے سنبھالی
لو بہار بن کے دُنیا پہ برس پڑی جوانی!

مگر ایں چہ راز باشد کہ جمالِ خودُنمائی!
نہ درُونِ غنچہ یابم نہ برُونِ غنچہ آئی!

برسات

لبِ آبجو یہ سبزہ، یہ فضائیں داستانی
یہ گھٹائیں اُودی اُودی یہ زمین دھانی دھانی

یہ نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی یہ پھوار ہلکی ہلکی
یہ فلک سے ابرِ نیساں کی نئی گہر فشانی

سطحِ زمیں پہ ہر سُو یہ نئے نئے جزیرے
یہ کہیں کہیں پہ خشکی یہ کہیں کہیں پہ پانی

چمن بساطِ صحرا یہ ذرا ذرا سی جھیلیں
پئے نوعروسِ فطرت یہ لباسِ جاودانی

یہ بسی ہوئی فضائیں یہ دُھلے ہوئے مناظر
یہ شباب موہنی کا یہ گلاب کی جوانی

یہ پیامِ بادہ نوشی کہیں گھور بادلوں کی
یہ صدائے عیش و مستی کہیں مور کی زبانی!

زانو پر اک پاؤں ٹکائے
یوں خود کو تصویر بنائے

دیکھ رہی ہے رستہ چلتا
گاؤں کی ملکہ دُخترِ صحرا

پیروں میں کیکر کے بچھوے
کانوں میں سینکوں کے بالے

زیبِ گلو کنول کی مالا!
آنکھ میں کاجل کا دُنبالا!

سیدھے تیر چلانے والی
ہرنی کو شرمانے والی

فخرِ بیاباں عالم آرا!
گاؤں کی ملکہ دُخترِ صحرا!

لُوٹ رہی ہے ہوش کی دُنیا
گاؤں کی ملکہ دُخترِ صحرا !

بے ترتیب پریشاں گیسو !
الہڑپن رشکِ رم آہو !

بھری بھری بلوری باہیں
تیز تیز بے باک نگاہیں

لالہ رُخ طاؤسی گردن
بھولی صورت سادی چِتون !

جُوہی کا نورستہ غنچہ
گاؤں کی ملکہ دُخترِ صحرا

جامن کی ایک شاخ جھکائے
چہرے کو پتوں میں چھپائے

گالوں کو خوشوں سے لگائے
رستے والوں سے شرمائے

"دہقانی لڑکی"

اُجلا نکھرا چاند کا ٹکڑا
بُھولا بھٹکا، صُبح کا تارا!

فطرت کا وارستہ جلوا
شبنم کا آوارہ قطرہ!

حُسنِ مجسّم پیکرِ زُہرہ
گاؤں کی ملکہ دُخترِ صحرا

(۲)

کانٹوں میں اک پھُول کھِلا ہے
سارا جنگل مہک رہا ہے!

دُنیا اُلٹی گھُوم رہی ہے
پتی پتی جھُوم رہی ہے

بے خود ہیں خاموش فضائیں
وجد میں ہیں مدہوش ہوائیں

کبھی بجوشِ مسرت بلند اڑجانا
ہوا میں تول کے پر خود بخود اُترجانا

یہ ایک "شعرِ مجسم" تری حیاتِ لطیف
یہ اک "تبسم رنگیں" تری بساطِ ضعیف

چمن طراز یہ اپریل کی نئی گرمی
نئے درخت، نئی کونپلیں، نئی پتی

نئی اُمنگ تری تو نئی بہار نئی
نئی فضائیں، نئے زمزمے نئی شوخی

زمانہ تیرے نئے گیت کو سمجھ نہ سکا
ترے پیامِ مسرت کو صرف میں سمجھا

نویدِ رخصت سرما سنانے آئی ہے!
مرے انار کی کلیاں کھلانے آئی ہے!

"فاختہ سے"

سُن اے سکون کی پیغامبر سروشِ بہار
عروسِ گلشنِ ہندوستاں حریفِ ہزار

کلیدِ درسِ تصوّف تری نوائے خروش
سکونِ وادیٔ عرفاں تری ادائے خموش

یہ "حال وقال" یہ اک مشت پر تری ہستی
سرورِ بادۂ توحید پیکرِ مستی

کبھی ببُول پہ پڑھنا وظیفہ "یاہُو"
کبھی کنیر پہ مصروفِ نغمۂ "کُوکُو"

کبھی پروں کو پھلا کر خرامِ مستانہ!
کبھی وہ سر کو اُٹھانا بشانِ شاہانہ

کبھی اُچھل کے ہری پتیوں میں کھو جانا
کبھی ادا سے نئی کونپلوں میں سُو جانا

یوں سمجھنے کے لئے کوئی سمجھ لے دو چیز
آگ سے سوزش وحدت ہو جدا۔ ممکن ہے؟
روشنی نور سے مختلف ہو۔ یہ ہو سکتا ہے؟
آب سے اسکی نمی جائے بتا۔ ممکن ہے؟
تری ہستی سے جدا خود مری ہستی ہی نہیں
دھوپ سورج سے الگ چیز ہو۔ ناممکن ہے؟

" ہر چہ احسانِ تو داد ست بما آں داریم
ماچہ داریم زخود تا زتو پنہاں داریم "

(حافظ)

سُن کے یہ بات ہوا حُسنِ ستمگر خاموش
ایک لمحے کے لئے ہو گئی زُہرہ بے ہوش

پھر یکایک ہوئی ہر چیز میں جُنبش پیدا
سینۂ حُسن میں خاموش تلاطم اٹھا
ہل گئی چرخ کی بُنیاد زمیں کانپ گئی

روئے مہ زرد ہوا عقدِ ثریّا لرزا
برق سی کوند گئی ہوش کے ایوانوں میں
مژۂ ناز پہ اِک سُرخ ستارا چمکا
عشق کے ساز سے دل دوز ترانے نکلے

لبِ جاں بخش میں حرکت ہوئی مِضراب نُما
خود بخود بول اُٹھی مُنہ سے فضائے خاموش

بر لبِ رُوح کا ہر تارِ نفس گونج اُٹھا
اُٹھ گیا پردۂ اسرارِ خودی ہستی سے
امتیازات کا سحرِ ازلی ٹوٹ گیا

حُسن نے عشق پہ ڈالی نظرِ استعجاب
آنکھوں آنکھوں میں خموشی سے کیا پھر یہ خطاب
پھُول سے پھُول کی خوشبو ہو جُدا۔ ممکن ہے؟
چاند سے چاندنی چھٹ جائے بھلا۔ ممکن ہے؟
عرض و جوہر میں خرد فرق بتا سکتی ہے؟
زندگی روح سے آزاد ہو کیا۔ ممکن ہے؟

حُسن و عشق

ایک دن عشق نے یہ حُسن سے جا کر پُوچھا
میری ہستی ہے جُدا تجھ سے مگر یہ تو بتا

کیوں تجھے دیکھ کے بے ساختہ پیار آتا ہے
جلوہ فرما ہے تری چشمِ حیا ساز میں کون؟

بات دلکش سہی، جادو سہی طرزِ گفتار
زمزمے کرتا ہے پیدا تری آواز میں کون؟

آنکھ مخمور سہی، برق سرِ طور سہی!
رُوح کو کھینچ رہا ہے نگہہ ناز میں کون؟

راگ کیوں خود تجھے اِک راگ بنا دیتا ہے
سوز بھر دیتا ہے آخر یہ ترے ساز میں کون؟

آئینہ دیکھ کے کیا یاد تجھے آتا ہے
الجھنیں ڈالتا ہے زلفِ گرہ باز میں کون؟

ہاتھ انگڑائی کو اٹھتے ہیں ٹھٹک جاتے ہیں
تجھ کو کر دیتا ہے محجوب ہر انداز میں کون؟

کون کر دیتا ہے غمگیں تجھے ہنستے ہنستے
چٹکیاں لیتا ہے یہ انجمنِ ناز میں کون؟

خاموشی ہے تاریکی ہے
آجا پھر شرما لے آجا
صہبائے خوش کام پلا دے
چھیڑ دے احساس خوابیدہ
اچھا اپنا پتہ نہ بتلا
یعنی پردۂ راز اٹھا کر
محرمِ راز بنا لے آجا

کون ایسے میں دیکھ رہا ہے
میرے بھولے بھالے آجا
ہوش میں ہوں مدہوش بنا دے
قلب کی حرکت اور بڑھا دے
مجھ کو میرا پتہ بتا دے
آج حریمِ ناز دکھا دے
آ میرے متوالے آجا

یاراں راچہ شد؟

می خلد خارِ جدائیٔ گل عذاراں راچہ شد؟
گلشنِ اُمید ویرانم بہاراں راچہ شد؟

زلف بکشُودہ خرامد یار خود بالائے بام
تشنہ دیداراں کجا و بیقراراں راچہ شد؟

طاقتِ صبر و ثباتم نیست گویم رازِ دل
راز جویانم چہ حال اُفتاد یاراں راچہ شد؟

"آجا!"

کویل کوک رہی ہے پیہم
پچھلی رات کا سناٹا ہے
تاروں کی چشمک سی ہوتی ہے
چاند اُفق میں ڈوب رہا ہے
اب بھی آنے والے آجا

رُخ سے ہٹا کر زلفِ پریشاں
بگڑی مانگ میں کاہکشاں کی
زہرہ رشک سے جھانک رہی ہے
اک دریائے موسیقی میں
آجا تو بھی گالے آجا

اپنی نیند سُلانے والے
بھُولی باتیں یاد دلا کر
ہر ہچکی پر چٹکی لے کر
رُوح میں ایک چراغ جلا کر
آجا اور جلا لے آجا

دِل سے اک سیلاب اُٹھا ہے
یاس کی طوفانی موجوں میں
آنکھ کی روشن بینائی پر

کیری آنے کا ہے موسم
سویا ہوا ہے سارا عالم
اَوج فلک پر جھم جھم جھم جھم
مہک رہی ہے شب کی بیگم
آلشد سنالے آجا

اُٹھی عروسِ شب وہ عریاں
بکھری ہوئی ہے گویا افشاں
رقص کناں ہیں رات کی پریاں
ڈُوب رہی ہے بزمِ امکاں
اپنا رباب اٹھالے آجا

اپنی نیند اٹھانے والے
ساری رات جگانے والے
دل کی خلش بڑھانے والے
جسم میں آگ لگانے والے
تڑپا لے ترسالے آجا

سینہ میں ہیجان بپا ہے
آس کا بیڑا ڈوب رہا ہے
اشک نے پردہ ڈال دیا ہے

ملی کیوں تمہیں دلرُبا نوجوانی — یہ ہوش و خرد آزما نوجوانی
پھر اُف یہ وفا آشنا نوجوانی — قیامت بنی ناسزا نوجوانی

نتیجہ یہ نکلا کہ تڑپا رہے ہو!
کہاں جا رہے ہو کہاں جا رہے ہو؟

ابھی کوئی دن تو محبّت نبھاتے — تمنّا کی خاموش پینگیں بڑھاتے
ستانا ذرا سیکھتے پھر ستاتے — بجھاتے کبھی آگ دِل میں لگاتے

کُڑھانا نہ آیا کہ باز آرہے ہو!
کہاں جا رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟

مہ و مہر و انجم جہاں میں سبھی تھے — مرے غمکدے کی تمہیں روشنی تھے
تمہیں بے کلی تھے تمہیں بیخودی تھے — تمہیں بھی خبر ہے تمہیں زندگی تھے

تمہیں صرف دل کی تمنّا رہے ہو!
کہاں جا رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟

کہاں جا رہے ہو؟

تخیل کو کیوں آج تڑپا رہے ہو؟
تصور کو کیوں آج برما رہے ہو؟
نگاہوں میں کیوں بار بار آ رہے ہو؟
محبت میں کیوں آگ بھڑکا رہے ہو؟
عجب مضطرب سے نظر آ رہے ہو؟
کہاں جا رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟

یہ کیا حال ہے؟ سچ بتا دو خدارا
نگاہوں سے پردہ اٹھا دو خدارا
ذرا اپنی صورت دکھا دو خدارا
یہ تاریک بادل ہٹا دو خدارا
بتا دو کہ کیوں اتنے یاد آ رہے ہو؟
کہاں جا رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟

نہ کشتی ہے بس میں نہ گرداب قاتل
چھپی جا رہی ہے نگاہوں سے منزل
مٹے جا رہے ہیں نشاناتِ ساحل
تمہیں کو سمجھتا ہے اب آسرا دل
تمہیں زندگی کا سہارا رہے ہو!
کہاں جا رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟

وہ تم اُف جنہیں ان نگاہوں نے پالا
محبت سے دوشیزگی کو اُجالا
جوانی کو پلکوں پہ جن کی سنبھالا
حیا کو اداؤں کے سانچے میں ڈھالا
وہی آج تم ہو کہ ترسا رہے ہو!
کہاں جا رہے ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟

جب پردہ پوشی کرتے ہیں بکھرے گیسو مدہوشی میں
کیوں جاگا سویا کرتا ہوں
دِل مجھ سے پوچھا کرتا ہے

کیوں ہُوک سی دِل میں اٹھتی ہے؟ کیا کھو جاتا ہے پہلو سے؟
کانوں میں آنے لگتی ہیں کیسی آوازیں ہر سُو سے؟
تصویر نمایاں ہوتی ہے کِس کی یہ آنسو آنسو سے؟
میں دل سے پوچھا کرتا ہوں
دِل مجھُ سے پوچھا کرتا ہے!

آج کی رات

یاد آ آ کے جان جائے گی!
عمرُ ڈھونڈا کرے نہ پائے گی!
چاند تارے تو سب ہی ہوں گے
آج کی رات پھر نہ آئے گی

"دل مجھ سے پوچھا کرتا ہے"

بھادوں کے دھانی موسم میں
پُروائی ہوا جب چلتی ہے
جب عکسِ شفق سے بوندوں میں
اک سُرخ شراب سی ڈھلتی ہے
جب قوسِ قزح کی رنگینی
موسم کا رنگ بدلتی ہے
میں کس کو پُوچھا کرتا ہوں؛
دِل مجھ سے پوچھا کرتا ہے!

جب کمسن گیسو والوں کی
چشمک ہوتی ہے کویل سے
"پی" "پی" کی صدائیں آتی ہیں
باغوں میں کونپل کونپل سے
ہر پل سے اڑنے لگتے ہیں
ہر جھول پہ آنچل آنچل سے
میں کس کو ڈھونڈا کرتا ہوں!
دِل مجھ سے پُوچھا کرتا ہے!

جب نبضِ محبت ہوتی ہے
دِل کی لرزش کے قابو میں
کانٹے سے چبھنے لگتے ہیں
آزردہ زخمی پہلو میں
کھنچ کر حل ہونے لگتی ہے
رُوحِ افسردہ آنسو میں
کیوں اتنا رویا کرتا ہوں؟
دل مجھ سے پُوچھ کرتا ہے!

جب دُنیا سویا کرتی ہے
پچھلی شب کی خاموشی میں
جب حسن انگڑائی لیتا ہے
خود شوق ہم آغوشی میں

درسِ شبابؒ

عیش کوشی کے لئے روز نئی بات بنا!
اپنا دن اور بنا اپنی نئی رات بنا!
بُت پرستی پہ نہ کر دل کو ملامت طاؔلب
کعبہ بُت خانہ تھا پھر قبلۂ حاجات بنا!

کھلے بالوں میں عکسِ رُخ سے آویزے دمکتے تھے
کہ ساون کی اندھیری رات میں جُگنو چمکتے تھے

مگر صد حیف! ہوش آیا تو دُنیا میں اندھیرا تھا
خرد مبہوت تھی ادراک کو حیرت نے گھیرا تھا

وہ زندہ ناگنیں تھیں جن کو زلفِ عنبریں سمجھا
مری ناآزمودہ کاریوں نے کچھ نہیں سمجھا

کیا محدود حرف "آرزو" کو رسمِ "دُنیا" میں
سمندر کھینچ کر لانا پڑا آغوشِ دریا میں

کسے معلوم تھا دُنیا میں آزادی ترستی ہے
"تمنّا" جُرم ہے انسان اک "مجبور" ہستی ہے
نظر میں بجلیاں تحلیل کر لینا۔ "محبت ہے".
لڑکپن سے جوانی میں قدم رکھنا۔ "قیامت ہے".

نظر نیچی کئے کوئی نظر میں یوں اُتر آیا !
کہ آنکھیں برق سمجھیں، ہوش نے سمجھا اُسے سایہ

کہا رنگینیٔ تخییل نے کوئی پری آئی !
دھڑکتا دل پریشانی میں سمجھا تیتری آئی !

سُبک رفتار تھی بہکی ہوئی الھڑ جوانی میں !
کہ کشتی تیرتی آتی تھی موجوں کی روانی میں !

تجلّی آ چھپی تھی نرگسی آنکھوں کے ساغر میں
کہ تارے نیم شب کے جگمگاتے تھے سمندر میں

رُخِ محبوب دل کی شوخ حرکت سے گلابی تھا
مسلسل جزر و مد سے سینہ ماہِ موجِ آبی تھا

عیاں تازہ لہو کی جھلکیاں دوشیزہ گالوں پر
شفق کا عکس ہو جیسے لبِ دریا حبابوں پر

مزیّن تھیں جو رنگیں چوڑیاں دستِ حنائی میں
دھنک لپٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی کلائی میں

فراہم تھے اندھیری رات میں ساماں اجالی کے
جلا کرتے تھے صدہا قمقمے رنگیں خیالی کے

صدائیں دِلرُبا آتی تھیں اکثر آسمانوں سے
سنا کرتا تھا نغمے جنگلوں میں بے زبانوں سے

لہو سیماب کے مانند رگ رگ میں مچلتا تھا
دلِ مضطر بہانے ڈھونڈھ کر پہروں اُچھلتا تھا

مسرت کھیلتی تھی ہر گھڑی موجِ تبسّم میں
ترنم کی لچک محسوس ہوتی تھی تکلّم میں

کبھی یہ بھی تماشے دیکھتا تھا بزمِ امکاں میں
کہ دُنیا کھنچ رہی ہے خود مری آغوشِ عصیاں میں

گذرتا وقت کب جاتا ہُوا معلوم ہوتا تھا
نیا دن روز اک آتا ہُوا معلوم ہوتا تھا

یکایک ایک کروٹ لی زمانے نے خموشی سے
محبت بن کے اک طوفان اٹھا گرم جوشی سے

"تعزیرِ شبابؒ"

وہ آنسو ثبت ہوتے ہیں جنہیں دل ضبط کرتا ہے
کہ ضبطِ سوزِ غم انفاس کو بے ربط کرتا ہے!

خلش مضراب بن کر چھیڑتی ہے شہ رگِ جاں کو
تمنّا نجر بن کر ڈھونڈتی ہے چشمِ گریاں کو!

جگر کی ٹیس پچھلی آرزوؤں کو جگاتی ہے
کوئی تصویر ماضی کی خلش میں جھلملاتی ہے

تصوّر پھر دکھاتا ہے وہ ٹھنڈی چاندنی راتیں
وہ باہم عیش کے جلسے وہ سرگوشی نما باتیں

وہ اک رنگین مدہوشی، وہ اک مانوس خاموشی
نئی اَلہڑ اُمنگوں میں وہ دورِ خود فراموشی

نظر مسحور تھی ہر چیز تصویرِ جوانی تھی!
تخیّل میں تڑپ تھی بے قراری تھی روانی تھی

شوخ کلیوں کا جو مُنہ چُوم رہی ہیں کرنیں
عرقِ شرم جھلک اُٹھا ہے شبنم بن کر!

نونہالانِ چمن جھُوم اُٹھے مستی سے
نغمہ پروانہ ہیں ہر شاخ شجر پر طائر

جوشِ جذبات میں ڈوبا ہے ہر افسردہ خیال
اس قدر قلب پہ غالب ہے مسرت کا اثر

دِل کا ہر بار تخیّل سے تقاضہ ہے یہی
طالبا تو بھی دکھا طبع رسا کے جوہر

آج کیا بات ہے آخر یہ مجھے فکر ہوئی
کیوں یہ جذباتِ فسردہ ہیں مضامیں آور؟

ہاتفِ غیب سے بے ساختہ آیا یہ جواب
"کہ مُبارک ہو ہوئے راؤ بہادر منظر[1]"

۱۹۲۹ء

[1] راؤ بہادر محمد عبد الحمید خان منظر باغپتی

ہدیۂ جذبات

طالعِ لیلئ نوروز کا چمکا اختر !!
مُسکراتا ہُوا پہلی کو نکلتا ہَے قمر!

اثرِ بادِ بہاری سے نمو کا جَوہر
ہر بُنِ خار میں چمکا ہَے زمرّد بن کر

پھُول سرسوں کے کِھلے ہیں کہ ہرے کھیتوں پر
دستِ فطرت نے بچھائی ہے بسنتی چادر

یا یہ دوشیزۂ موسم نے پئے زیبائش
سبز پوشاک پہ پہنا ہَے سنہری زیور

پرتوِ نورِ شفق کا یہ نیا معجزہ ہَے
ساغرِ گُل میں بنی اوس شرابِ احمر!

عید کے دن

آہ افسانۂ الفت کی وہ تمہید کے دن
ہائے وہ ہوش فراموش تری دید کے دن
کیا کہوں روح پہ کیا حال گذر جاتا ہے؟
یاد جب آتی ہے اک عید مجھے عید کے دن!

چاند کل کا تو لب لعلیں میں آ کر چھپ گیا
دیکھ لے ان کو جسے اب انتظارِ عید ہے!

عشق کی مایوسیوں کو پھر سہارا مل گیا
حسن کی مجبوب آنکھوں میں خمارِ عید ہے!

آسماں پر چند بادل آئے آ کر ہٹ گئے
مہوشوں کی کاکلوں میں انتشارِ عید ہے!

بے محابا کھل گئے آغوشِ رسمِ شوق میں
حسن کی سنجیدگی پر اختیارِ عید ہے!

ایک جامِ مے سے جاتا ہے خمارِ ماہِ صوم
ایک رنگینی پہ گویا انحصارِ عید ہے!

صبحِ قسمت می دمد کو جامِ ہمچوں آفتاب
فرصتے زیں بہ کجا باشد بدہ جامِ شراب

(حافظ)

"نشاطِ عید"

نوبہارِ حُسن ہم رنگِ بہارِ عید ہے !
خندۂ معصوم صبحِ خوشگوارِ عید ہے !

آج اُن کی شوخیوں پر شوخیوں کو ناز ہے !
اُن کا ہنس دینا ہی وجہ افتخارِ عید ہے !

پان کی سُرخی شفق بن کر لبوں پر کھِل گئی
نرگسی آنکھوں کے ڈوروں میں خمارِ عید ہے !

ایک گلدستہ بنایا ہے نئی پوشاک نے
پیکرِ رنگین رشکِ لالہ زارِ عید ہے !

بڑھ گئیں پیہم تبسّم سے لہُو کی سُرخیاں
چمپئی رُخسار میں رقصاں شرارِ عید ہے !

نقرئی آواز نغمہ ہے نشاطِ رُوح کا
قہقہوں کا شور پیغامِ بہارِ عید ہے !

رونے سے اُن کو روک رہا ہوں اپنے آنسو پی پی کر
اس ڈر سے کہیں وہ پوچھ نہ بیٹھیں آخر تم کیوں روتے ہو؟

کرتے سے چھن کر اشکِ ناز مرے سینے تک آ پہونچے
دیکھو دل ڈوبا جاتا ہے اب رہنے دو کیوں روتے ہو؟

جب اپنے آنسو خشک نہ ہوں سمجھانا خاک اثر رکھے
طالبؔ تم کس سے کہتے ہو؟ کیوں روتے ہو کیوں روتے ہو؟

تاثّرات

میری قسمت کا لکھا ہونا ہے ہونے دو کیوں روتے ہو؟
بے چینی اور بڑھا دو گے ناحق رنجیدہ ہوتے ہو

اب بُرا زمانہ آتا ہے پھر اچھے دن آجائیں گے
میں زندہ ہوں تم پاس بھی ہو یہ شکر کرو کیوں روتے ہو؟

قرباں میری قسمت کی گھٹا اِن بھیگی بھیگی پلکوں کے
دیکھو تو حرارت بڑھ جائے گی چپ ہو جاؤ کیوں روتے ہو؟

انگارہ سا جسم دہکنے لگا اتنا ماتم بھی ٹھیک نہیں
لو آؤ گلے لگ جاؤ اب جانے بھی دو کیوں روتے ہو؟

ستارے ٹکرا جائیں گے یہ بھی کوئی میرا رونا ہے
للّٰہ تم اتنا بتلا دو کیا سوچا ہے؟ کیوں روتے ہو؟

دِل میں رکھنے کے قابل تھے یہ سچے سچے موتی تو
کیوں دَولتِ عشق لٹاتے ہو؟ سچ بتلا دو کیوں روتے ہو؟

آپ سوتے ہیں تو سو جائیے ہم جاتے ہیں
اس طرح بھی کہیں معشوق کو شرماتے ہیں!

یہ شراب عنبی جو کوئی پی لیتا ہے
عمر بھر ہم کو جوانی کی دعا دیتا ہے!

اور اگر پی کے یہ لذت کوئی بھولا بدمست
کافرِ عشق بنا گر نہ بنا بادہ پرست

دے جو ساقئ ازل عمر کے پیمانے میں
کیا برا ہے جو اسے پیتے ہیں میخانے میں

پھر قیامت ہے کہ اصرار ہو پینے کے لئے
حسبِ دلخواہ سہارا بھی ہو جینے کے لئے

خندۂ جام بلب زلفِ گرہ گیر بدست
اے بسا توبہ کہ چوں توبۂ حافظ بشکست

(حافظ)

"رات وہ!"

(ترجمہ)

رات وہ زلف بکھیرے ہوئے خنداں لب و مست
پیرہن چاک و غزلخوان و صراحی در دست!

آنکھ میں نیند چھلکتی ہوئی مخمور نظر
چال اٹھلائی ہوئی جنبشِ پیہم میں کمر!

نشۂ بادۂ گلرنگ سے عارض گلنارا
قدِ رعنا میں بہر رنگ جوانی کا ابھارا!

آکے خاموش صراحی کو زمیں پر رکھا!
اور زانو پہ مرے سر کو اٹھا کر رکھا!

پھر اک انداز سے نیچے کو بڑھا کر گردن
یوں مرے کان میں کہنے کو جھکا سیم بدن

کہرا بھی بیدردی سے پھُولوں کو کملایا کرتا ہے
خنجر بھی تخت سے تختہ پر شاہوں کو گرایا کرتا ہے
اور شعُلہ بھی جل کر نوزائیُدہ گھاس جلایا کرتا ہے

لیکن تو اُن سے اور سوا
کچھ مجھُ سے عداوت رکھتا ہے

مجھُ کو یہ سب معلوم ہے تو مجھ سے اتنا بیزار بھی ہے
تجھُ سے ملنا مفہومِ دشواری سے سوا دشوار بھی ہے
تو دلداروں کے جھمگٹ میں پوشیدہ دل آزار بھی ہے
اور تجھُ میں بغایت ظلم و جفاؤ احساسِ پندار بھی ہے
تیری ہر جنبش ابرو میں تنبیہہ بھی ہے انکار بھی ہے
تاہم میرے دِل کی ہر دھڑکن سے ظاہر یہ اقرار بھی ہے

میں تجھُ سے محبّت کرتا ہوں!
میں تجھُ سے محبّت کرتا ہوں!

"میں تجھ سے محبّت کرتا ہوں"

(ماخوذ از میری کوریلی)

سیلاب بھی دیوانوں کی طرح ساحل سے سر ٹکراتا ہے
سُورج بھی سطحِ سمندر پر اپنی کرنیں بکھراتا ہے
اور بُلبُل بھی گلشن میں نغمے پھولوں پر برساتا ہے
لیکن میں اُن سے بڑھکر
تیرا دردِ محبت رکھتا ہوں!

شبنم بھی دمِ سحر آغوشِ گل میں سوئی ہوتی ہے!
سایہ کی ہستی میں بھی روشن دھوپ سموئی ہوتی ہے!
اور رات بھی روزِ روشن کے رشتے میں پروئی ہوتی ہے!
لیکن میں ان سے اور سوا
کچھ تجھ سے قربت رکھتا ہوں!

مہِ نو بھی سرِ دمنانت سے بادل کو ہٹا کے نکلتا ہے!
ساحل بھی روز سمندر پر غصہ سے زہر اُگلتا ہے!
اور دُھواں بھی پیچ و تاب سا کھا کر آگ سے بچ کر چلتا ہے
لیکن تو اُن سے بڑھکر
مجھ سے جذبۂ نفرت رکھتا ہے!

صبحدم آنکھ کھلے تو وہی صورت دیکھوں
چڑھتے سورج میں وہی موہنی مورت دیکھوں

اسی نظارۂ دلکش سے محبّت بن کر
ایک طوفان اُٹھے موجِ مسرّت بن کر

بے قراری ہو مری روح کی بیداری میں
اور ہیجان عمل ہو رگِ بے کاری میں

وندریں راز چنیں باخبرے گردم باز
باز گردم بمنازل کہ بخود جوئیم باز

(ٹیگور)

ہیں پرندوں کے خوش آئند ترنم بے کار
اور نسیمِ طرب افزا کے ترا کم بے کار

میں نہ جاگوں گا —— مری نیند پریشاں نہ کرو!
آہ! اتنا تو مجھے اس سے پشیماں نہ کرو!

اے خوشا وہ میری نیندیں وہ مری بے ہوشی
اس کے چھونے پہ جو قرباں ہوں بصد خاموشی!

اے خوشا وہ مری جاگی ہوئی آنکھیں پُرخواب
جو کسی نورِ تبسم کے لِئے ہوں بے تاب!

صرف وہ نورِ تبسم جو کسی چہرے سے
آفتابِ شفقی رنگ کی صورت نکلے!

اور تاریکیٔ غمخانہ کو یوں دور کرے
جس طرح خوابِ صنم نیند کو پُر نور کرے

میری آنکھوں میں وہی شکل سما جانے دو
اور دل میں وہی تصویر اُتر آنے دو

انتظار

(گیت ۴۸ — گیتانجلی)

ہجر کی رات بدستور کٹی جاتی ہے!
جاگتے جاگتے پھر صُبح ہوئی جاتی ہے!

آہ! اُمید کہ پھر بھی نہیں سونے دیتی
مجھ کو مایوس بھی ظالم نہیں ہونے دیتی

دِل یہ کہتا ہے کہ کیا ہو جو کوئی آجائے؟
اور سوتا ہُوا دیکھے تو تجھے شرمائے!

در کھلا چھوڑ دو سوتا ہوں تو سو جانے دو!
کوئی آجائے تو روکو نہ اُسے آنے دو!

پائے نازک کی صدا گر نہ جگانا چاہئے
اور پازیب کی جھنکار سلانا چاہے

ہمدمو تم بھی خدارا نہ جگاؤ مجھکو
اور اِس خواب گراں سے نہ اٹھاؤ مجھکو

سُرخیاں خونِ جوانی کی رگوں میں بے تاب!
پیکرِ ناز چھلکتی ہوئی اک مینا ہے!

نورافروز جبیں پر وہ پریشاں افشاں
چاند کو داغ لگا عقدِ ثریا کیا ہے؟

چوڑیوں کے ہیں کلائی پہ نشاناتِ خفیف!
شاخِ بلّور پہ یا نقش کوئی کھینچا ہے!

عکسِ رُخسار سے چمکی ہیں عرق کی بُوندیں
یا یہ شبنم نے لباسِ شفقی پہنا ہے؟

شوخیاں ہیں لبِ لعلیں کی تبسّم ساماں!
یہ فریبِ نظری ہے کہ کوئی ہنستا ہے!

دیدنی نیست جمالِ تو نظر را چہ قصور؟
آنچہ ہستی پسِ ہستی شدہ است آں بہ ظہور!

"وہ جاگے"

حسنِ نوخیز اداؤں میں ذرا جاگا ہے!
دیکھ خورشیدِ شفق رنگ ابھی نکلا ہے!

برق بے تاب لرزتے ہوئے آویزوں میں
ابر بردوش کوئی زلف دراز اٹھا ہے!

کائنات آگئی کھنچ کر تہِ خمیازۂ حسن
چشمِ مخمور ہتھیلی سے کوئی مَلتا ہے!

روئے روشن سے نیا نیّرِ اعظم چمکا
چاند کا رنگ جو پھیکا ہے تو کیا بیجا ہے؟

بجلیاں کوند رہی ہیں پسِ طوفانِ شباب
حسن کا راز چھپائے سے کہیں چھپتا ہے؟

نیم خوابیدہ نگاہوں میں شبابی مستی
کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ کوئی پیتا ہے!

جس سمت نگاہیں اُٹھتی ہیں طغیانی ہی طغیانی ہے
اِس پانی کے کچھ قطروں میں اُف یہ محشر سامانی ہے

موجوں نے شور مچایا ہے زوروں پہ ندی نالے ہیں
بیڑے والے مضبوطی سے بیڑوں کو اپنے سنبھالے ہیں

اک سناٹا سا ہوتا ہے تا دور سیاہ فضاؤں میں
پروائی موجیں لیتی ہے ہر سمت وسیع خلاؤں میں

جب گرج گرج کر آتے ہیں شب کو بادل کالے کالے
آغوش میں ڈر کر چھپتے ہیں کمسن بھولے گیسو والے

اب کیا کہدوں کیا ہوتا ہے؟
ساون کی اندھیری راتوں میں

اک شورِ مسرّت اٹھتا ہے آبادی اور ویرانوں سے
قلقل کی صدائیں آتی ہیں ہر چار طرف میخانوں سے

کہیں جھولے جھولے جاتے ہیں اور سکھیاں مل کر گاتی ہیں
شوخی سے باہم ہنس ہنس کر کچھ ملہار سناتی ہیں

کوئی لمبی پینگ بڑھاتی ہے کوئی ہلکے جھونٹے لیتی ہے
کوئی گورے گورے ہاتھوں سے جھولے کو جھکولے دیتی ہے

کوئی کمسن آگے بڑھتی ہے اور جھول پکڑ کر رہتی ہے
"اب تم اترو ہم جھولیں گے" کس بھولے پن سے کہتی ہے؟

یہ حشر نظارہ ہوتا ہے!
ساون کی اندھیری راتوں میں

بادل پر بادل چھائے ہیں گویا جنگل میں منگل ہے
کل خاک جہاں پر اڑتی تھی آج اسی جگہ پر جل تھل ہے

کہیں جھینگر شور مچاتے ہیں کہیں مینڈک مل کر گاتے ہیں
ہر آنے جانے والے کو برسات کا گیت سناتے ہیں

کہیں جھم جھم جھم جگنو تاریکی میں اڑتے پھرتے ہیں
کہیں چھم چھم چھم بارش کے قطرے پانی پر گرتے ہیں

کہیں چم چم چم بجلی چمک کر رہ جاتی ہے
پھر کڑک کڑک کر گرتی ہے کوسوں تک شور مچاتی ہے

یہ طرفہ تماشا ہوتا ہے
ساون کی اندھیری راتوں میں

ساون کی اندھیری راتوں میں

پھر میں اپنے کو کھو بیٹھا ساون کی اندھیری راتوں میں
پھر ڈھونڈھ مجھے او برقِ نظر اِن طوفانی برساتوں میں

پھر بادل گھِر کر آیا ہے گھنگھور گھٹائیں چھائی ہیں
افسردہ طبیعت والوں میں پیغامِ مسرت لائی ہیں

پھر بھیگی بھیگی سرد ہوا خاموش فضا میں چلتی ہے
اور مست ترانے گا گا کر موسم کا رنگ بدلتی ہے

پھر تارے چھپتے آتے ہیں تاریکی ہوش اڑاتی ہے
دُنیا پر ایک بھیانک سی خاموشی چھائی جاتی ہے

یارب یہ کیا کیا ہوتا ہے
ساون کی اندھیری راتوں میں

دل ہی دل میں دل کی امیدوں پر پانی پھر گیا
آہ جب آغوش میں اپنی لحد نے لے لیا
کیسی کیسی ہستیاں اُف چھُپ گئیں زیرِ زمیں
نام تک جن کے کوئی بھُولے سے اب لیتا نہیں
حالتِ گورِ غریباں سے یہ عقدہ کھُل گیا
مرنے والوں کی زبانی ہم نے طالبؔ سُن لیا
خامۂ فطرت کی انساں شوخیٔ تحریر ہے
عالمِ ہستی طلسمِ عالمِ تصویر ہے!

چرخ پر دو چار تارے آنکھ جھپکانے لگے
جھاڑیوں میں ہر طرف جُگنو نظر آنے لگے

اب کہ جب ہر چیز فطرت کی سکوں آمیز ہے
عالمِ گورِ غریباں کتنا وحشت خیز ہے؟

جس طرف کو دیکھئے چھائی ہے حسرت سربسر
دور تک بس خاک ہی کے ڈھیر آتے ہیں نظر

ایک جانب سے اگر آتی ہے ہُو ہُو کی صدا
دُوسری جانب سے جھینگر پھُونکتا ہے صور سا

آہ اس اجڑی جگہ پر لطفِ آبادی کہاں
حسرت و یاس و اَلم کا دور دورہ ہے یہاں

رہنے والے ہیں جو اس بستی کے سب خاموش ہیں
نشۂ خوابِ عدم میں مست ہیں مدہوش ہیں

کوئی گُنبد ہے نہ کتبہ ہے نہ ہے لوحِ مزار
ایک مشتِ خاک ہے بس بیکسوں کی یادگار

کوئی ان میں رستمِ دوراں تھا کوئی جم شکوہ
کوئی وہ تھا جس نے کاٹے زندگی میں اپنی کوہ

عقل و ہمّت میں کوئی تھا ثانئ ینپولین
کوئی تھا حسنِ تدبر سے فلاطونِ زمن

گردشِ دَوراں سے لیکن ہو گئے لاچار سے
کر دیئے دستِ قضا نے دست و پا بیکار سے

گورِ غریباں

شام کی تاریکیاں ہیں جھٹپٹا سا وقت ہے
دُھندلا دُھندلا سا نمایاں سامنے اِک دشت ہے
چھپ چکا سورج شفق کی سُرخیاں جاتی رہیں
آسماں کی وہ حرارت ریزیاں جاتی رہیں
شورِ ہُو حق ہے نہ جنگل میں کوئی آوازہ ہے
شام رخصت ہو رہی ہے رات کا آغاز ہے
ہر طرف چھائی ہوئی ہیں سربسر خاموشیاں
پھول پتوں میں بھی اب جاری نہیں سرگوشیاں
جا رہے ہیں غول چڑیوں کے بسیرے کے لئے
محوِ ساماں ہے عروسِ شب اندھیرے کے لئے
آ رہے ہیں کچھ مویشی گردنیں نیچی کئے
پیچھے پیچھے ہے کسان ہل اپنا کاندھے پر لئے
سب چراگاہوں سے لوٹے دن کے گھبرائے ہوئے
سوئے آبادی چلے جنگل کے کلپائے ہوئے
جس طرف دیکھو ہر اک شے طالبِ آرام ہے
رات سب سے کہہ رہی ہے کام دن کا کام ہے

زندانِ عناصر میں یہ رُوح کا گھبرانا
ہر قلب کی لرزش میں ایک جبر کا افسانا
ہر سانس کی آمد پہ اک سانس کا گھُٹ جانا
ہر نبض کی جُنبش سے آوازِ جرس آنا
قیدِ غمِ ہستی سے کوئی تو چھڑاتا ہے
آخر یہ قضا کیا ہے ؟

دراصل فروزاں ہے ہر گھر میں وہی جلوہ
مسجد میں وہی جلوہ ، مندر میں وہی جلوہ
شیشے میں وہی جلوہ ، ساغر میں وہی جلوہ
نوخیز جمالوں کے پیکر میں وہی جلوہ
اک جلوۂ لاشے ہے ہر شے میں سمایا ہے
اب اور خُدا کیا ہے ؟

خدا کیا ہے؟

وہ حسنِ حقیقی ہے اک نورِ مجلّٰی ہے
اُس نورِ مجلّٰی کی اک شوخیٔ رعنا ہے
اُس شوخیٔ رعنا کا اِک جلوۂ زیبا ہے
اُس جلوۂ زیبا کا اِک پرتوِ ادنیٰ ہے
خورشید جدا کیا ہے؟

چشموں کی روانی میں یہ سازِ طرب کوشی
صحرا کی ہواؤں میں یہ نغمۂ خاموشی
بستی کی فضاؤں میں یہ شورِ فغاں کوشی
یہ نالۂ مظلومی، یہ قلقلِ مے نوشی
اِس عالمِ امکاں میں ہنگامہ سا برپا ہے
یہ ساز و نوا کیا ہے؟

رقصاں مہ و انجم کی یہ چرخ پہ تصویریں
اور صفحۂ گیتی پر یہ شوخ سی تحریریں
ہر غنچۂ و ہر گُل میں یہ حُسن کی تنویریں
ذرّوں میں بیاباں کے بکھری ہوئی تعمیریں
اِس بزمِ تماشا کو کوئی تو سجاتا ہے
ہر شے میں چھپا کیا ہے؟

فہرست نظمیات

نظمیات

پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ بہر حال ان کی سادگی۔ ان کا خلوص۔ اردو ادب کی خدمت کا جذبہ۔ ملنساری۔ احساسِ خودی۔ خدا خوفی۔ مرنجانِ مرنج اور مشفقانہ رویّہ سب کچھ ان کے کلام سے عیاں ہے۔

مُشک آنست کہ خود ببُوید نہ کہ عطّار بگوید

اِقبال طالب

گزارشِ احوال

والدِ بزرگوارم کنور لطافت علی خان طالب باغپتی مرحوم (آہ! مرحوم سچ ہے

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْت

مقدُور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم

تُو نے وُہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے)

نے اپنی زندگی میں ۱۹۳۷ء میں ایک مرتبہ یہ کتاب "شاخِ نبات" کے نام سے چھپوائی جو بہت مقبول ہوئی اور بہت جلد ختم ہوگئی۔ اب دوستوں اور قدردانوں کے اصرار پر اسے دوبارہ چھپوانے کے لئے ایک معیاری کاتب اور طابع کی تلاش میں تھے۔ راقم الحروف چونکہ عرصہ بیس سال سے براہِ راست شفقتِ پدری سے دُور پاکستان میں تلاشِ معاش میں معروف ہے اس لئے مجھے ان کی اس خواہش کا فوری علم نہ ہوسکا۔ لہٰذا جب وہ گذشتہ سال مئی ۱۹۸۲ء میں پاکستان تشریف لائے اور اس خواہش کا اظہار فرمایا تو میں نے ان کی خواہش کی تکمیل کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھا اور احباب کے مشورہ سے اس کتاب کی طباعت کے لئے کوشش شروع کردی۔ ابھی اس کا پہلا مرحلہ بھی مکمل نہ ہُوا تھا کہ احقر کو کاروباری سلسلہ میں بیرونِ ملک جانا پڑا۔ وہاں سے واپسی سے قبل ہی ان کے سانحۂ ارتحال کی خبرِ جان سوز ملی۔

والدِ مرحوم کی زندگی میں تو شاید اس کتاب کی طباعت میں مجھ سے غفلت و تاخیر ہو جاتی نگران کی رحلت کے بعد میرے اوپر یہ فرض ہوگیا کہ جلد از جلد اس کتاب کو نہایت اہتمام کے ساتھ چھپوا کر ان کے دوستوں اور مدّاحوں تک پہنچا دوں۔

ان چند سطور میں مرحوم کی شخصیت یا ان کے کلام پر تبصرہ مقصود نہیں یہ تو حضرت جگر مرادآبادی ہی کا حصّہ ہے جنھوں نے اُن کی شخصیت اور کلام دونوں

اس کتاب کا آغاز حضرت جگر مرادآبادی کے تبصرے سے ہوا ہے۔ وہ آپ نے اس تحریر سے پہلے پڑھ لیا ہوگا۔ اس تبصرے میں اُردو شعر و ادب کے بارے میں جن نازک اور حکیمانہ حقائق کو انہوں نے بے نقاب کیا ہے وہ اُنہی کا حصّہ ہے لیکن میری شعر و شاعری پر جس حسنِ ظن کا اظہار فرمایا ہے وہ میرے خیال میں اُن کے اس دعوے کے باوجود کہ "سَو فیصدی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اخذِ نتائج میں دھوکہ نہیں کھایا"۔ اور یہ کہ اس کلام کی مبیّنہ خوبیاں اس قابل ہیں کہ میری "انفرادیت اور شخصیت کا اعتراف کرنا ہر صاحبِ انصاف کا فرض ہے" ——— اُن کی پرواز خیال اور خلوص ہے جگر مرحوم جتنے اچھے شاعر تھے اُس سے بھی زیادہ اچھے انسان تھے۔ جو شخص دُشمنوں کے بارے میں یہ اُصول رکھتا ہو کہ :-

کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر ٭ کون چھڑائے اپنا دامن!

وہ اور سب کے لئے کتنا فراخ دل ہوگا؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ——
میں جب اپنے کلام کو دیکھتا ہوں تو گمان ہوتا ہے کہ جگر صاحب کے مندرجہ بالا خیالات کہیں اس فراخ دلی کا عکس تو نہیں ؟!

لیکن اپنی اہلیت پر شک کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مجھے اُن کی دیانت میں شک ہے!

دیکھئے اس کتاب پر "کلیمانہ" انداز میں اپنا محاسبہ خود کر کے میں نے دورِ حاضر کے ناقدین کے لئے راہ کافی ہموار کر دی ہے اب ان کے لئے صرف اتنا کام باقی رہ گیا ہے کہ وہ میری تائید فرماویں —— وما توفیقی الّا باللہ!

طالب باغپتی

آزما کام ہے۔ لیکن میرے صبر کی اس میں کوئی بھی آزمائش نہیں ہوئی اور میں نے کاٹ چھانٹ کے اس دلچسپ کام کو آسانی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس پر شاعر صاحبان کہہ سکتے ہیں کہ میں شاعر ہی نہیں کہ ایسے غیر شاعرانہ کام کو دلچسپ سمجھتا ہوں اور سند میں مرزا داغ کا یہ شعر سامنے لائیں۔

شعر تر نکلیں تو وہ لختِ جگر ہیں اپنے ؛ اپنی اولاد سے ہوتی ہے محبت کیسی ؟

سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ایسا تعلق خاطر اپنے کسی شعر کے لئے محسوس نہ ہوا، اس لئے مجھے ان کا دعویٰ تسلیم کرنے میں تامل نہ ہونا چاہیئے۔ میں خود بھی جب کبھی ایک ناقد کی نظر سے اپنے اشعار کا جائزہ لیتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ میں شاعر نہیں ہوں گو شعر کہنا مجھے آگیا ہے۔ میرے نزدیک شاعر ہونے کیلئے جہاں اور صفات ضروری ہیں وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے تعارف کی ضرورت نہ ہو بلکہ اس کا کلام ہی خود اس کے نام کا اعلان کر دے! ——

یہاں یہ عالم ہے کہ :-

ع

بعد یک عمر بھی جینے کا نہ انداز آیا

برسوں شعر کہتے گذر گئے لیکن انفرادیت یا شخصیت کی چھاپ لگانا نہ آیا۔ مجھے اُردو شعر و شاعری میں میرؔ و مومنؔ۔ حسرتؔ و جگرؔ نے متاثر کیا ہے اور فارسی میں حافظ و سعدیؔ نے میرا خیال ہے کہ غیر محسوس طور پر شاید میں نے اُن کی تقلید کی ناکام کوشش کی ہے۔ (دانستہ یقیناً نہیں) اسی بنا پر میرا کوئی اپنا رنگ یا طرز قائم نہ ہو سکا۔ ایک دوسری وجہ اس بے راہ روی کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ میں سنجیدگی کے ساتھ یا طالب علمانہ طور پر اس فن کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ اور اسی لئے میں باقاعدہ شاعر نہ بن سکا۔ میری شاعری بیشتر خود کلامی ہے یا مخاطبت اس لئے وہ سب کے کام کی چیز نہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے۔ اُسے شوقیہ مشق سمجھ لیجئے یا انفرادی تجربہ یا کچھ اور۔ یہ ضرور ہے کہ میں نے جو کہا ہے بقول جگر مرحوم محسوس کر کے کہا ہے محض کہہ دینے کے لئے نہیں۔

وہ اپنے آپ کو کہلوانے کے لئے اکثر شاعر کو مجبور کر دیتا ہے۔

بہر حال اب ایک زمانے کے بعد جب ذرا غمِ دوراں سے فرصت ملی تو پھر غمِ جاناں کی طرح غمِ شاعری نے کروٹ لی! اس طویل عرصے میں کچھ نہ کہنے پر بھی میں اتنا کہہ گیا کہ اس نے ایک اچھی خاصی بیاض کی صورت اختیار کر لی جسے میں نے شاخِ نبات کی مناسبت سے "قندِ مکرر" سمجھ لیا۔

اب اس 'سب کچھ' کو کلیات شائع کرانا تو ممکن تھا نہیں۔ صرف کثیر کے علاوہ شاخِ نبات کی اشاعت کے وقت میں نے نظرِ ثانی کئے بغیر اس وقت تک کا سب ہی کچھ ——— مع رطب و یابس پریس کے حوالہ کر دیا تھا۔

اب دوبارہ شائع کرانے کے لئے جب مجھے توجہ کے ساتھ اُسے دیکھنے کا موقعہ ملا تو اُس میں ابتدائی مشق کی بعض چیزیں اور بعض محض کہہ دینے کے لئے کہی ہوئی نظمیں، غزلیں اور اشعار مجھے کھٹکے، اُن کے علاوہ بعض نظمیں، تصاویر اور مناظر سے متعلق تھیں جن میں سے کچھ کی تصاویر شاخِ نبات کے پہلے ایڈیشن میں شائع بھی ہو چکی تھیں مگر اب اُن سب کے بلاک ملنا ممکن نہ تھے اس لئے وہ اور اُس قسم کی تمام نظمیں موجودہ ایڈیشن سے خارج کرنا پڑیں اور اس طرح تقریباً چالیس پچاس فیصدی کلام تخفیف میں آ گیا۔

میرے ساتھیوں اور ہم عصروں میں سوائے حضرت احسان دانش کے کوئی صاحبِ نظر نہیں رہا جس کو اس "دفترِ بے معنی" کا انتخاب کرنے کی زحمت دیتا — میں نے اُن سے گذارش کی۔ احسان صاحب کی زندگی بڑی مصروف ہے، ادھر کچھ عرصے سے اُن کی صحت بھی اطمینان بخش نہیں رہی۔ عذر کے پردے میں اُنہوں نے انکار فرمایا — اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ میں اپنی اس خدمت کو خود ہی انجام دوں۔ (افسوس کہ اس انتخاب کو حسبِ وعدہ دیکھنے سے قبل ہی احسان بھی اللہ کو پیارے ہوئے۔ (انا للہ و انا الیہ راجعون!)

میں نے سنا تھا کہ اپنے کلام کا خود انتخاب کرنا ایک شاعر کے لئے بڑا صبر

دوشیزگانِ ساحل

(۱)

گرمیوں کی جانفزا یہ صبح کی ٹھنڈی ہوا
گا رہی ہے جب کہ خود نغمات خاموشی فضا
چہچہے چڑیوں کے جب ہر سُو ترنّم ریز ہیں
چار سو جس وقت نظارے تحیّر خیز ہیں!
مخملی سبزے پہ ہے جس وقت شبنم کی بہار
صاف چشموں سے ہے جس دم حسنِ گلشن آشکار
آرہی ہے جس گھڑی ناقوس کی پیہم صدا
گھاٹ والے مندروں سے کھا کے جمنا کی ہوا
شوق میں اشنان کے دریا کی جانب بے حجاب
چل دیا اک لڑکیوں کا غول ہو کر بے نقاب

(۲)

اُن کی وہ دھانی گلابی زرد نیلی ساریاں
جن کے آگے ماند ہوں قوسِ قزح کی دھاریاں
اُن کی آنکھوں میں شبابِ مست کی نوخیزیاں
ان کے چہروں پر شرابِ رنگ کی ضو ریزیاں

اُن کی چالوں میں قیامت خیز فتنہ زائیاں
اُن کے ہونٹوں پر تبسم ریز دِل آرائیاں!
اُن کی وہ دلچسپ باتیں روح کش وہ قہقہے
جن کو سُنکر بُلبلِ خوش صوت سیکھے چہچہے
سنسنی خیز اُن کی پازیبوں کی وہ کافر صدا
جن کی چھم چھم پر جنابِ شیخ کا تقویٰ فدا!
ہر ادا دوشیزگی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی
چال اٹھلائی ہوئی کافر نظر بہکی ہوئی!
راستہ طے کر رہی ہیں شوخی و رعنائی سے
حشر برپا ہو رہا ہے شانِ خود آرائی سے
راہ گیروں کی نگاہِ شوق سے بچتی ہوئی
وہ بالآخر آ گئیں سب گھاٹ پر ہنستی ہوئی

(۳)

رودِ جمنا بہ رہی ہے مذہبی شوکت کے ساتھ
شور کرتی اور بل کھاتی ہوئی نخوت کے ساتھ
گدگدا دیتی ہے شوخی سے جو دریا کو نسیم
ہلکی موجوں میں بکھر جاتے ہیں کچھ اوراقِ سیم
کر کے تبدیل اپنی اپنی نزدِ ساحل ساریاں
چل پڑیں اشنان کو اشنان کرنے والیاں

چوُمنے کو پاؤں دریا کی تڑپ سیماب ہے !
ہمکناری کے لئے رودِ جمن بے تاب ہے

چھیڑ کرنے کو صبا بھی آگئی پر اشتیاق !
اُن کے محرم پوش پلوّں سے ہوئی محوِ مذاق

سر کی جنبش سے وہ گیسو پُشت پر کرتی ہوئی
آگئیں آغوش میں دریا کے کچھ ڈرتی ہوئی

(۴)

جوش کچھ دریا میں آیا کچھ کسی دل میں اُمنگ
بڑھتی موجوں نے دکھائے قلب کی لرزش کے رنگ

فطرت دوشیزگی جذبات گرمانے لگی !
چھیڑ موجوں کی دلوں کو جوش میں لانے لگی

قہقہوں کے شور سے جمنا تلاطم خیز ہے
کمسنوں کی شوخیوں سے نبضِ دریا تیز ہے

بے حجابی کے مناظر میں ہے گمُ ہر نوجواں
ہنس رہا ہے اُن کی پیشانی پہ چندن کا نشاں

اب خدا حافظ کہ بوڑھوں کی ہوئی نیّت خراب
لو وہ نکلا جھانکتا مشرق سے پیر آفتاب !

دیکھ کر یہ ماجرا آخر وہ شرمائی ہوئی
آگئیں دریا سے باہر سمٹی سمٹائی ہوئی

پھر اُسی انداز سے اپنی بدل کر ساریاں
لوٹ کر گھر کو چلیں اشنان کرنے والیاں
جا رہی ہیں اس طرح لوٹوں میں جمنا جل بھرے
جس طرح جاتے ہوں سوئے قاف پریوں کے پرے

بسنت

ہری ہری جھاڑیوں پہ چڑیاں بسنت کے گیت گا رہی ہیں
نکلتے سُورج کی سُرخ کرنیں زمیں پر جگمگا رہی ہیں

ہَوا کے جھونکوں میں بھینی بھینی عجیب لپٹیں سی آ رہی ہیں!
مہک رہا ہے تمام جنگل فضائیں خوشبو لُٹا رہی ہیں

خوشی کی تالی بجا رہی ہے وفورِ عشرت سے پتّی پتّی!
زمردیں ڈالیوں پہ کلیاں اِدھر اُدھر مسکرا رہی ہیں

چمک چمک کر مثالِ گوہر بسنتی پھولوں کی پنکھڑیوں پر،
یہ اوس کی ننھی ننھی بوندیں نئی بہاریں دکھا رہی ہیں

نگاہ میں جذب ہو رہی ہیں خیال کو گدگدا رہی ہیں!

فضا کی دِلکش بلندیوں پر شگفتگی مسکرا رہی ہے
نئے شگوفے کھلا کھلا کر زمین رشکِ جناں بنی ہے

لطیف شبنم کے آب پاکیزہ سے وضو جلد جلد کر کے
حضورِ خالق میں گل بداماں ہر ایک شاخِ شجر جھکی ہے!

جوانی انگڑائی لے رہی ہے زمردیں پتیوں میں گویا
شباب کی ایک شوخ و رنگیں حسین تصویر کھنچ رہی ہے

بسنتی پھولوں میں چھپ رہے ہیں ہرے ہرے کھیت یا یہ کہیئے
عروسِ موسم کے دھانی جوڑے پہ زرد مقیش لگ رہی ہے

نہیں کسی پہ سحر جبیں پر سنہری افشاں چنی ہوئی ہے!

حسین پھولی ہوئی ہے سرسوں خموش جنگل بہار لایا
صبا کی موجوں میں گونجتا ہے "بسنت آیا بسنت آیا!"

طیور کی نغمہ سنجیوں سے بنا ہے صحرا سرود خانہ
درخت وجداں ہیں بے خودی میں وہ مست گانا انہیں سنایا

یہ کونسے مہ جبیں کی آمد میں دستِ فطرت ہے محوِ ساماں
کہ ہر جگہ زرد مخملیں فرش تا بحدِ نظر بچھایا..؟

نمو کی پُر کیف خلوتوں سے اُٹھا دیا پردۂ تماشا!
بسنت آتے ہی فصلِ گُل نے نظارۂ رنگ و بو دکھایا!

شجر شجر پر بہار آئی، کلی کلی پر شباب چھایا!

تمام عالم ہے مست و بے خود عجیب مدہوش کن سماں ہے
زمین ہے جنّتِ نظارہ تو فتنۂ حشر آسماں ہے!

بنے ہیں چوتھی کی دونوں دُلہن فلک گلابی زمیں بسنتی
جہاں کا یہ دِلربا نظارہ دھنک کی مانندِ دِلستاں ہے

تجلیوں سے جہاں ہے روشن ہوئے سبھی ماہ و مہر پھیکے
جہاتِ ستہ میں ذرہ ذرّہ مثالِ خورشید ضوفشاں ہے

مجھے بتاؤ کہ باغ جنت یہاں نہیں ہے تو پھر کہاں ہے؟

سُنسان فضاؤں میں

شورشیں شوق کی پھر بڑھ گئیں دیوانے میں
پھر تری یاد لئے جاتی ہے ویرانے میں

پھر دلِ زار کو نفرت ہے شکیبائی سے
پھر ملا درس جنوں عشق کو برنائی سے

آج تنہائی میں پھر ضبط سے دم گھٹتا ہے
سرد آہوں سے بلا قصد دھُواں اُٹھتا ہے

چین ملتا نہیں اس دہر کی آبادی میں
جی بھٹکتا ہے تو سُنسان کسی وادی میں

ہمدم و مونس و غمخوار کی حاجت نہ رہی
عشق کو تیرے سوا اور ضرورت نہ رہی

تیری آواز فضاؤں میں سُنا کرتا ہوں
تیرے پیغام ہواؤں سے سُنا کرتا ہوں

تیرے الفاظ کو پتّے کبھی دہراتے ہیں
تیرے نغمات پرندے کبھی گا جاتے ہیں

شور موجوں کا جو دریا سے کبھی آتا ہے
قہقہوں کی ترے آواز سُنا جاتا ہے

کھُل کے بادل جو کبھی دُھوپ بِکھر جاتی ہے
صاف چشموں میں تری شکل نظر آتی ہے!

گھاس پر دُھوپ سے شبنم جو چمک جاتی ہے
مئے دوشیزگیٔ حُسن چھلک جاتی ہے!

سوچتا ہوں کبھی کلیوں کا تبسم کیا ہے؟
اور سشاما کا یہ اندازِ تکلم کیا ہے؟

کبھی رُکتی ہے نظر دُور ببولوں کے قریب
تم کہاں آ گئے اِن زرد سے پھُولوں کے قریب؟

اور بے تاب اگر کرتی ہیں۔ دل کی آہیں
ڈال دیتا ہوں درختوں کے گلے کی باہیں

زلزلہ ضبط سے جب آتا ہے شریانوں میں
تیری تصویر لرز جاتی ہے مژگانوں میں!

خون کے دور میں ہو جاتی ہے پیدا تبخیر،
جوششِ اشک سے دھل جاتی ہے دھندلی تصویر

گرچہ از آتشِ دل چوں خمِ مے در جوشم
مہر بر لب زدہ خوں می خورم و خاموشم

(حافظ)

"طلوعِ سحر"

مخمور آنکھ نیند میں ڈوبی ہوئی نظر!
کوئی پلا رہا ہے صبوحی دمِ سحر!

ہوش و حواس جھوم رہے ہیں سُرور سے
لیلائے شب کی زلفِ مسلسل ہے منتشر!

پھیکی سی پڑ گئی ہے ستاروں کی روشنی
بے نور ہو چلا ہے افق میں رُخِ قمر

انگڑائی لے رہی ہے پسِ پردۂ شفق
پھر شبنمی لباس میں دوشیزۂ سحر!

یکسر غنودگی سی ہر اک شے پہ چھا گئی
ہے رُوحِ کائنات بھی مدہوش و بے خبر!

پھولوں میں جیسے سوئے کوئی مستِ خوابِ ناز
ڈھلکی ہے چشمِ نرگسِ بیمار اس قدر

کروٹ بدل رہا ہے کوئی رات ڈھل گئی
آتا چلا ہے نالۂ ہجراں میں کچھ اثر

خنکی بڑھی صبا میں نسیمِ سحر چلی
گونجی وہ بانگِ مرغ فضاؤں میں سر بسر

ٹوٹا طلسم رات کے مبہم سکوت کا
کی شمع نے حکایتِ جاں سوز مختصر

"دلہا ہمہ بہ بوئے گُل آویختہ ست باز
عیشے بطرفِ ہر چمن انگیختہ ست باز"
(حافظ)

"ہنوز"

سن! کہ ناکام محبّت نہیں گمنام ہنوز!
آ! کہ دُنیا ہے تجھے آخری پیغام ہنوز!

ضوفگن ہے ابھی خورشیدِ تمنّا کی کرن!
دُھوپ ڈھلتی ہوئی باقی ہے سرِ بام ہنوز!

مختلف ہوگئیں گو زیست کی ظالم راہیں
جادۂ عشق پہ دو رُوح ہیں ہم گام ہنوز!

ایک کانٹا سا کھٹکتا ہے ہر اک سانس کے ساتھ
پردۂ آہ میں مخفی ہے تیرا نام ہنوز!

اب بھی ہر چیز پہ ہو جاتا ہے دھوکہ تیرا!
تیری آواز سناتے ہیں در و بام ہنوز!

باعثِ گریۂ خاموش ہے اب تک تری یاد
چٹکیاں قلب میں لیتا ہے ترا نام ہنوز!

دیکھتے دیکھتے اکثر نظر آجاتی ہے!!!
تیری تصویر پسِ گردشِ ایّام ہنوز!

عالمِ خواب میں اور رات کے سنّاٹے میں
گونجتے ہیں تری پازیب کے پیغام ہنوز!

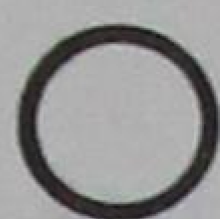
تیرے اشکوں کی ہیں جس عہدِ وفا پر مہریں
ثبت ہے دل پہ وہ فرمانِ بلا نام ہنوز!

دل میں باقی نہیں گو وعدۂ فردا کی اُمید
پھر بھی ناکامِ تمنّا نہیں ناکام ہنوز!

انقلابات نے ہر چند بدل دی دُنیا
وہی اُفتاد ہے طالبِ سحر و شام ہنوز!

غزلیات

فہرست غزلیات



محبّت آگ بن جاتی ہے سینے میں نہاں ہو کر
تمنّائیں جلا دیتی ہیں دِل چنگاریاں ہو کر

اِدھر بھی تم اُدھر بھی تم یہاں بھی تم وہاں بھی تم
یہ تم نے کیا قیامت کی نگاہوں سے نہاں ہو کر؟

انھیں بھی داستانِ ہجر چپکے سے سنائی ہی دی
سکونِ شامِ غم بنکر ستاروں کی زباں ہو کر!

سحر ہونے سے پہلے ہی گلابی ہو گئے آنسو
شفق پھُولی ہماری داستانِ خونچکاں ہو کر

چراغِ آرزو یوں جھلملا کر بجھ گیا آخر
دمِ آخر کسی کی یاد آئی ہچکیاں ہو کر

خصوصیت کا طالب ہوں عداوت ہو محبّت ہو
مجھی کو بس ستائیے جائیے نا مہرباں ہو کر



اُن کی محفل میں جو مدہوش رہا کرتے ہیں!
ہوش والے انھیں باہوش کہا کرتے ہیں!

مرگِ عاشق پہ تو معشوق ہنسا کرتے ہیں!
وہ مری موت پہ روتے ہیں یہ کیا کرتے ہیں؛

آسماں کرتا ہے خود اُن پہ کواکب کو نثار
وہ مری آہ کو بدنام کیا کرتے ہیں

سُن لیا کرتے ہیں ہنسنے کے لئے قصّۂ غم
وہ وفائیں بھی بہ اندازِ جفا کرتے ہیں

یا تو میں اُن کی جفاؤں کو سمجھتا ہوں وفا
یا جفا جان کے وہ مجھ سے وفا کرتے ہیں

ان حجابات پہ دعوئ خُدائی کیا خوُب ؟
طور والے کہیں پردے میں چھُپا کرتے ہیں !

لوگ روتے ہیں ہمیں دیکھ کے خنداں طالبؔ
اور ہم اُن کے ہنسانے کو ہنسا کرتے ہیں



خود ہوئے بدنام رُسوا ظرفِ انساں کر دیا
طور والوں نے مذاقِ عشق عریاں کر دیا

آج ہم نے یوں حسابِ حشر آساں کر دیا
نقدِ ایماں بھی نثارِ ذوقِ عصیاں کر دیا

عشق کی خامی ہوئی ظاہر شکستِ رنگ سے
ضبط کی کوشش نے رسوائی کا ساماں کر دیا!

شوقِ آزادی نے زنداں میں بنایا آشیاں
نااُمیدی نے قفس ہی کو گلستاں کر دیا

ہم تو یوں بھی اُس فریبِ وصل کے ممنون ہیں
جس نے لذّت آشنائے دردِ ہجراں کر دیا

کشمکش زارِ لبقا کا نام دُنیا رکھ دیا !
خواہشِ مجہول کو فطرت نے انساں کر دیا !

بر سبیلِ گفتگو ذکرِ وفا بھی آگیا !
میں نے ناحق چھیڑ کر اُن کو پشیماں کر دیا

فرطِ شوقِ دید میں اب یہ کسے تھا امتیاز
ضبط کو نذرِ فروغِ روئے جاناں کر دیا !

رات دودِ آہِ طالبؔ نے ستارے ڈھک لیے
یُوں تمہیں زیرِ فضائے شامِ ہجراں کر دیا



خاموش اندھیری راتوں میں جب ساری دُنیا سوتی ہے
اک ہجر کا مارا روتا ہے اور شبنم آنسو دھوتی ہے

پہلے تو محبت رفتہ رفتہ ہوش و خرد کو کھوتی ہے
پھر یاد کسی کی آ آ کر کانٹے سے دِل میں چبھوتی ہے

کچھ سوچتا ہوں، کچھ کہتا ہوں، کچھ کہتے ہیں، کچھ سُنتا ہوں
جب اُن کے سامنے ہوں میری یہ حالت ہوتی ہے!

چارہ گر بس یہ بتلا دے وہ جب مجھ سے چھو جاتے ہیں
کیوں جسم میں موجیں اُٹھتیں ہیں کیوں نبض میں سُرعت ہوتی ہے؟

سب کہتے ہیں میں دیوانہ ہوں، میں کہتا ہوں سب دیوانے ہیں
میں دُنیا بھر پہ ہنستا ہوں دُنیا بھر مجھ پر روتی ہے!

جب چاند اُفق پر ہوتا ہے اور تارے جھلمل کرتے ہیں
آنکھوں میں کسی کی بھولی بھالی شکل سمائی ہوتی ہے!

اُمید سے رشتہ ٹوٹ گیا تم کیا چھوٹے دل چھوٹ گیا
ارمانوں کی بڑھتی کھیتی کو سیلِ یاس ڈبوتی ہے

دِل ایک نہ اک دن جانا تھا یہ دن بھی آخر آنا تھا
طاؔلب تم اِس کا غم نہ کرو یہ چیز پرائی ہوتی ہے!



قربت و ہجر ہے کیا؟ خلوت و جلوت کیسی؟
میری آنکھوں میں ہو تم، تم سے شکایت کیسی؟

دل میں گھر کر کے کرو حسرتِ دل کو پامال!
یہ مری جان محبت میں عداوت کیسی؟

تم نے تو چھوڑ دیا تھا کہیں آنا جانا!
آج یہ محفلِ اغیار میں شرکت کیسی؟

دھج ہے رندوں کی نہ یہ پیرِ خرابات کی وضع!
شیخ میخانے میں دستارِ فضیلت کیسی؟

اب دعا کیجئے بیمارِ محبت کے لئے!
یہ دمِ نزع ہے اس وقت عیادت کیسی؟

دل کا کیا مول ہے شرمندہ نہ کیجے مجھ کو !
آپ کی چیز ہے، لے جائیے قیمت کیسی ؟

اس غزل پر ہے مری حضرت جمؔ کا ارشاد
"تیرے[1] اشعار میں طالب ہے لطافت کیسی" ؟

---

[1] مصرع فرمودہ نواب سر جمشید علی خاں باغپت



پھر چاک چاک کر کے فلک پر ردائے شب!
نکلے شفق بدوش مرے نالہ ہائے شب!

دُشمن بنا ہے طرز ادائے دُعائے شب
سُن سُن کے سو گئے وہ مرے نالہ ہائے شب!

سب سوئے کائنات میں تارے گنا کروں
رکھا گیا یہ روز ازل مدّعائے شب!

بکھری پڑی ہے دَولت زر پائے چرخ پر
فطرت نے کیا سحر سے لیا خوں بہائے شب!

کیا غیر کی خطا نگہِ سُرمگیں نے خُود
اک داستاں بنا کے کہا ماجرائے شب!

طالب یہ گرمیوں کی نئی رُت یہ چاندنی
یہ دُور کے پیامِ سکوں نغمہ ہائے شب!



پھر دے رہا ہوں دعوتِ خوں چشمِ تر کو میں
پھر کھولتا ہوں بخیۂ چاکِ جگر کو میں

سمجھا ہوں پرتوِ رُخِ جاناں قمر کو میں
خوُد منفعل ہوں کیا کہوں اپنی نظر کو میں

خط دے کے پوچھتا ہے پتہ کوئے یار کا
بتلاؤں کیا ؛ بتائے کوئی ؛ نامہ بر کو میں

اَب دم لبوں پہ ہے تو وہ آتا ہے دیکھنے
اے کاش بے خبر نہ ملوں بے خبر کو میں

یا تو نظر ہی ہو گئی محوِ طلسمِ حسُن
یا یہ کہ جانتا نہیں اس کی کمر کو میں

طالب وہ امتحاں کے لئے کب تک آئیں گے
کب تک لئے رہوں گا پئے نذر سر کو میں

مَن و تو

من و سوزِ جاں گدازے تو و جاں نواز سازے
من و عشق فتنہ ساماں، تو و حسنِ بے نیازے

من و در خیالِ پیکاں دلِ خوں شدہ بدستے
تو و جانبِ رقیباں نگہِ فسوں طرازے!

من و از غمِ جدائی شب و روز آہ و زاری
تو و بر صدائے آہم خوش و خندہ زن نیازے

من و سجدہ ہائے پیہم پۂ شکر چوں تو بینم
تو نہ پیشِ من گریزاں بخیال کایں نمازے!

من و از فریب وعدہ ہمہ شب نظر براہے
تو و در حریم نازت ہر شام خواب نازے

متضاد کیف دارد غمِ عشق را چہ گویم؟
گہِ سوزِ رُوح سوزے گہِ سازِ جاں نوازے

بخدا تُرا بجویم ز خدا تُرا بخواہم!
تو ئی باعثِ دُعائے تو ئی حاصلِ نمازے!

منم آں سیاہ بختے کہ ترسم از وجودم
نہ بہ زیست التفاتے نہ ز مرگ احترازے!



دِل آزاری محبّت میں کہاں معلوم ہوتی ہے ؟
عجب تسکیں پسِ سوزِ نہاں معلوم ہوتی ہے !

نگاہِ ناز اکثر داستاں معلوم ہوتی ہے
کسی کی آنکھ ہم وصفِ زباں معلوم ہوتی ہے

خدایا خیر ! کیا تازہ تباہی آنے والی ہے ؟
خموشی سی قریبِ آشیاں معلوم ہوتی ہے

چھپی جاتی ہے منزل ہی غُبارِ راہِ منزل میں
مری قسمت شریکِ کارواں معلوم ہوتی ہے

مری باتیں تو وہ شکوہ سمجھ کر سُن نہیں سکتے
خموشی بھی انھیں میری گراں معلوم ہوتی ہے

غرورِ حسن سے کوشش متانت اختیاری کی
تمہاری شوخیوں میں رائیگاں معلوم ہوتی ہے

زمانے کی زباں پر ہے انہیں کی داستاں طالب
انہیں ہر بات میری داستاں معلوم ہوتی ہے

چلے گئے!

یہ کیا جھلک سی آج دکھا کر چلے گئے
دِل کو یقیں نہیں کہ تم آکر چلے گئے

بیگانہ وش نگاہ جھکا کر چلے گئے
کچھ بات تھی وہ یاد دلا کر چلے گئے

آنکھوں میں پھر رہی ہے ابھی تک نگاہ مست
یہ کیا گلابیاں سی لٹا کر چلے گئے؟

دِل تو سمجھ رہا تھا تمہیں آخری عِلاج
تم دردِ دل کو اور بڑھا کر چلے گئے!

جب سے گئے ہو پوُچھ رہا ہے تمہیں خیال
تم کِس طرف نگاہ بچا کر چلے گئے!

ایفائے عہد کرتے ہو اس کا تو شکریہ
لیکن یہ کیا کہ آئے اور آکر چلے گئے؟

طالب درست خواب شبِ انتظار تھا!
وہ آئے اور مجھ کو جگا کر چلے گئے!



مری تقدیر شکوہ سنجِ دورِ آسماں کیوں ہو؟
ملے جب درد میں لذّت تلاشِ مہرباں کیوں ہو؟

شریکِ لذّتِ آزار کوئی ہم زباں کیوں ہو؟
تمھیں بتلاؤ معنی خیز میری داستاں کیوں ہو؟

وہی دل ہے، وہی خواہش، وہ تم ہو، وہی میں ہوں
مری دُنیا رہینِ انقلابِ آسماں کیوں ہو؟

وہ میرے بعد روتے ہیں اب اُن سے کوئی کیا پُوچھے؟
کہ پہلے کس لئے ناراض تھے اب مہرباں کیوں ہو؟

بگولوں میں اڑے جب خاک میرے آشیانے کی
قفس کی سِمت ہی یا رب ہوائے گلِستاں کیوں ہو؟

تمہیں فریاد رس کہتے ہیں فریاد کرتا ہوں !
تمہیں آخر بتاؤ پھر یہ کوشش رائیگاں کیوں ہو ؟

ستانا ہی اگر منظور ہے ، کہہ دو ستاتے ہیں !
مری تقدیر کے پردے میں میرا امتحاں کیوں ہو ؟

ہمیں معلوم ہے طالب حقیقت رازِ ہستی کی
مگر اس بے حقیقت کی حقیقت ہی عیاں کیوں ہو ؟



دیکھنا ! اہلِ نظر، اس دل کی قسمت دیکھنا !
بیوفا اس کو بتاتے ہیں یہ تہمت دیکھنا !

چارہ گر پہلے مرض تشخیص کرنا چاہیئے !
اُن کی صورت دیکھکر پھر میری حالت دیکھنا

وہ ہنسے اظہارِ غم پر میں یہ سمجھا خوش ہوئے
اِن جفاؤں پہ مرا حُسن عقیدت دیکھنا !

غیر سے کہتے ہیں ہنس کر" اِنکی حالت پوچھنا"
یہ ستم آمیز اظہار محبّت دیکھنا !

شور ہے محشر میں کوئی آرہا ہے بے نقاب
یہ قیامت میں اُٹھی کیسی قیامت دیکھنا !

اُف وہ میرا آخری ہچکی میں کہنا "الوداع"!
آہ ان کا وہ پلٹ کر وقتِ رخصت دیکھنا!

امتحاں گاہِ عمل ہے کشمکش زارِ حیات!
طالبؔ اس میں عین نادانی ہے راحت دیکھنا



ضبط کی بات بدستور نبھانا اچھا!
تم مری موت پہ آنسو نہ بہانا اچھا!

آپ کہتے ہیں غمِ عشق بھلانا اچھا؟
میں بھُلاتا ہوں مجھے یاد نہ آنا اچھا!

شورہ بختی سہی یا کج روئی چرخ سہی
ان کا پردے ہی میں چھُپ چھُپ کے ستانا اچھا

وہ بلا قصد سہی کچھ تو اُٹھی تھیں نظریں
پھر اُسی طرح غلط تیر چلانا اچھا!

مجھ کو کیوں ہوش میں لانے کی ہے احباب کو فکر
میں سمجھتا ہوں مجھے ہوش نہ آنا اچھا!

آج طالب وہ مری یاد سے خود عاجز ہیں
کل جو کہتے تھے "ہمیں بھول نہ جانا اچھا!



وُہ بام پہ خوُد دیکھنے آئے تھے نیا چاند
دُنیا نے انہیں دیکھ کے یک لخت کہا "چاند"!

خورشید چھُپا شرم سے آتا ہے مرا چاند
ہاں آج ذرا نِکلے تو جانیں کہ "ہُوا چاند"!

اُف چاندنی راتوں میں ترا سبز دوپٹہ
اک سمت سنہری ہے تو اک سمت ہرا چاند!

عارض پہ جو کچھ بال ڈھلک آئے ہیں اُن کے
ہر شخص سمجھتا ہے کہ عقرب میں ہُوا چاند!

اُنتّیس کی رُویت کو زمانے نے تو دیکھا
وُہ دیکھنے نکلے تو پسِ ابر چھپا چاند!

آئے تھے وہ اک بار شب چار دہم میں
اُس روز سے ہر روز گھٹا چاند مٹا چاند

تم دیکھنے لگتے ہو تعجّب سے فلک پر
دُنیا تمہیں کہتی ہے۔ "نیا چاند نیا چاند!"

طالبؔ وہ ہنسے رات تو بجلی سی چمک کر
معلوم یہ ہوتا تھا کہ اب ٹوٹ پڑا چاند!



جمال یار تو منت کشِ حجاب نہ تھا
نقاب پردۂ ادراک تھا نقاب نہ تھا

دکھا کے ٹوٹ گیا اک تماشۂ ہستی
حباب شعبدۂ آب تھا حباب نہ تھا

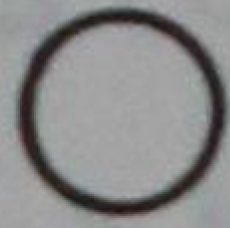
طلسمِ جامۂ ہستی بھی ہے فریبِ نظر
سُراب تجزیۂ دہر تھا سُراب نہ تھا

جو اُس نگاہ کی گردش میں انقلاب ہوا
وہ ایک خواب محبّت تھا انقلاب نہ تھا

چمن کی یاد قفس میں اگر ستاتی ہے
تو اس طرح کہ زمانہ کبھی خراب نہ تھا

سکون موت ہے دل کی تپش دلیلِ حیات
مریضِ عشق کو بے وجہِ اضطراب نہ تھا

جوان تھے تو زمانہ جواں تھا طالبؔ
شباب فلسفۂ حُسن تھا شباب نہ تھا



کہتا ہی کیا بھلا صفِ محشر کے سامنے
خاموش رہ گیا مژہِ تر کے سامنے

کافر کہا جو شیخ نے یاد آ گئی نماز
سجدے کئے ہزار ترے در کے سامنے

اب دل سمجھ رہا ہے کہ میرا قصور تھا
کیسی شکایتیں مژہِ تر کے سامنے ؟

تم نے تو رات شرم سے منہ کو چھپا لیا
محجوب ہیں ہوا مہ و اختر کے سامنے

طالبؔ دُعائیں لب پہ فقط آہ رہ گئیں
اٹھے نہ ہاتھ چرخِ ستمگر کے سامنے



اپنی قسمت کا ستارا سرِ مژگاں دیکھا
آج ہم نے اثرِ جذبۂ پنہاں دیکھا!

اب کسے ڈھونڈ رہی ہے نگہِ ناز بتا؟
حاصلِ جور مرے زود پشیماں دیکھا!

اب یہ شکوہ ہے وہ پہلی سی گھٹائیں ہی نہیں
ہم نہ کہتے تھے نہ کر زلف پریشاں دیکھا!

شکوہ آسان تھا اب اِس کی پشیمانی ہے
کن نگاہوں سے تمھیں سر بہ گریباں دیکھا؟

اپنے مرنے کا نہیں غم یہ ملال آتا ہے
کیوں زمانے نے تمھیں بال پریشاں دیکھا؟

رات آتی ہے تو کھا کر اُسی گیسو کی قسم
ہم نے طالب کا مقدر شبِ ہجراں دیکھا!



کافرِ عشق سہی مجرمِ الحاد نہیں
ہوش طالبؔ کو ابھی ہے کہ خدا یاد نہیں

اب وہ سنتے ہیں تو کچھ شکوۂ بیداد نہیں
صرف یہ یاد ہے کچھ بھول گیا یاد نہیں

جورِ تمہید ہے اک دورِ نوازش کی ترے
سرد مہری بھی ادا ہے تری بیداد نہیں

آ مرے زود فراموش دکھا دوں تجھکو
نقش ہیں دل پہ وہ باتیں جو تجھے یاد نہیں

موت کیا چیز ہے تبدیلیٔ زنداں کا فریب
ورنہ انسان کسی حال میں آزاد نہیں

دِل نے جذبات میں صورت بھی چھپالی تیری
وہ گرفتار سہی تو بھی تو آزاد نہیں

روز طالب کوئی سوتے سے جگا دیتا ہے
آہ اب رات کی نیندیں بھی تو آزاد نہیں



نہ یہ عمر ہوگی نہ یہ دَور ہوگا!
قیامت کی باتوں پہ پھر غور ہوگا!

نکل آئے آنسو مرا حال سنکر
غلط ہے بھلا آپ سے جور ہوگا!

پریشان ہوگے پریشاں کروگے
مرے حال پر اور کیا غور ہوگا؟

بڑھاتے نہ طالب محبت کی پینگیں
اگر جانتے آج یہ طور ہوگا!



ہر چند بُھلاتا ہوں ، بھلایا نہیں جاتا
اک نقشِ تخیّل ہے ، مٹایا نہیں جاتا

میں نے جو کہا ۔ " درد بڑھایا نہیں جاتا "
کہنے لگے —— " نادان جتایا نہیں جاتا "

امید کی کشتی کو سہارا تو لگا دو
مانا کہ تمہیں ساتھ بٹھایا نہیں جاتا

اب اُن کا تقاضا ہے " کہانی نہیں کہتے ؟
جب قصۂ غم ہم سے سنایا نہیں جاتا !

تُم آؤ گے اور شب کو ذرا سوچ کے کہتے !
تُم سے تو تصوّر میں بھی آیا نہیں جاتا !

طالب مری باتیں انھیں باور نہیں آتیں
دِل چیر کے پہلو کو دکھایا نہیں جاتا



جہاں کا راز بن کر خود ہی رسوائے جہاں کیوں ہو؟
ہمارے دل میں رہ جائے تو کوئی لامکاں کیوں ہو؟

من و تو کی خلش باقی ہے جب تک قیدِ ہستی ہے!
فریبِ زندگی میرے تمہارے درمیاں کیوں ہو؟

مری خود داریوں پر ضبط کو بھی رشک آتا ہے!
یہ کاوش ہے کہ تم بھی واقفِ رازِ نہاں کیوں ہو؟

ذرا انگڑائی لے لو چاندنی چھٹکے شفق چھو لے!
ضرورت چاند سورج کی جہاں تم ہو وہاں کیوں ہو؟

مری آہوں سے تارے ٹوٹتے ہیں ٹوٹتے ہوں گے!
تمہیں تو نیند آ جاتی ہے پھر تم بدگماں کیوں ہو؟

خلافِ وضع کھنچنے میں خصوصیت کا پہلو ہے
تمہارے طرز سے رنگِ تغافل بھی عیاں کیوں ہو؟

قفس کی زندگی کچھ بھی سہی تاہم غنیمت ہے
نہیں جب آشیاں کوئی تو فکرِ آشیاں کیوں ہو؟

مری خاموشیوں پر وہ اگر غمگیں نہ ہوں طالبؔ
تو پھر شرمندۂ الفاظ میری داستاں کیوں ہو؟



وہ سامنے جو نگاہیں چرائے جاتے ہیں!
وہ آج کل کے مسیحا بتائے جاتے ہیں!!

وہی ہو تم کہ جگہ پتلیوں میں جنکو دی!
وہی ہیں ہم کہ نظر سے گرائے جاتے ہیں!

قصور کس نے کرایا قصور کس کا ہے؟
وہ جانتے ہیں تو ہم کیوں ستائے جاتے ہیں؟

اڑا رہے ہیں شبِ ہجر کا مری خاکہ!
بہانہ یہ ہے کہ گیسو بنائے جاتے ہیں!

یہ کیا ادا ہے کہ مجبورِ زندگی کر کے!
ستمگری کے بھی احساں جتائے جاتے ہیں!

تمام عمر کے سجدے فضول ہیں طالبؔ
کہیں نقوش مقدر مٹائے جاتے ہیں!!



تم ہو کہ ماہِ کامل اَب یہ کسے خبر ہے ؟
فرقت کی رات ہم ہیں اور چاند کا سفر ہے !

دُنیا سمجھ رہی ہے سُورج نکل رہا ہے !
گو سینۂ فلک پر داغِ غمِ قمر ہے !

مجھ سے مجھے بھلا کر او یاد آنے والے !
میں بے خبر نہیں ہوں تجھ سے تجھے خبر ہے !

یہ میرے بعد آخر تم خودُ سے کیوں خفا ہو !
کیوں حسُن مضمحل ہے کیوں زلف منتشر ہے !

خاموش کس لئے ہو؟ تم ہو تو کیا خفا ہو؟
کاغذ سے گفتگو ہے تصویر پر نظر ہے !

مجبوریوں پر اپنی اِک آہ سرد کرے!
با اختیار انساں ہے اور اسقدر ہے!

اِن سُرخ بادلوں میں سُورج کا میکدہ ہے!
شبنم شراب ساقی دوشیزۂ سحر ہے!

اک لمحۂ محبت مرنا بھی ہے اُسی میں
طالب حیات انساں کس درجہ مختصر ہے!



دردِ زبانِ خلق مری داستاں ہے اب
یعنی بقدرِ ضبط تمنّا گراں ہے اَب

تقدیر میں نہیں تو کہاں سے ملے سکوں؟
وہ مہرباں ہیں تو فلک سرگراں ہے اب!

مانا ہزار چند ہیں اب دل کی شورشیں
وہ ابتدائے درد کی لذّت کہاں ہے اب؟

اب خود پہ ہے خفا وہ پشیمانِ امتحاں
تسکیں طلب اُدھر مرا دردِ نہاں ہے اَب

میں تھا قرار پہ تو کوئی بے قرار تھا
میں بے قرار ہوں تو کسی پر گراں ہے اب

جو داستاں سنی نہ گئی قہقہوں میں کل!
تمہیدِ اشکِ ناز وہی داستاں ہے اب!

مُہمل سی وہ کشیدگی مُبہم سی وہ خلش!
یادش بخیر! عہدِ تکلّف کہاں ہے اب؟

کروٹ بدل رہا ہے زمانہ وہ سو اُٹھے!
شائد قریبِ ختم مری داستاں ہے اب

جھیلوں پہ آفتاب کی پہلی کرن کو دیکھ!
طاؔلب کسی کا حسن کنول سے عیاں ہے اب



پہلے دردِ دِل پہ کہتے تھے کہ "یہ کیا ہو گیا"؟
اب یہ کاوش ہے کہ کیوں بیمار اچھا ہو گیا؟

آ گئے لو وہ عیادت کے لئے خود آ گئے
ہو گیا بیمارِ دردِ ہجر اچھا ہو گیا!

ایک موتی سا چمکتا ہے سرِ مژگانِ ناز
اَوج پر کیا میری قسمت کا ستارا ہو گیا؟

ہو گیا سب میرے شکووں کا جواب لاجواب
اُن کا شرما کر یہ کہہ دینا "تمہیں کیا ہو گیا"؟

کثرتِ دیدار سے اُن کی نگاہیں جھک گئیں
عکسِ مژگاں کا نقابِ روئے زیبا ہو گیا!

آپ ہی پہلے اٹھا دی روئے روشن سے نقاب
آپ ہی پھر پوچھتے ہیں" چاند کو کیا ہو گیا"؟

رات بھیگی جا رہی ہے سرد آہیں ہو چلیں
چھوڑ یہ مدہوشیاں طالبؔ سویرا ہو گیا



ہاتھ ملتا ہے پشیمانِ جفا میرے بعد!
خیر یُوں بڑھ گئی توقیرِ وفا میرے بعد!

ہو گئے زرد کفِ دستِ نگاریں افسوس
خیر سرسبز تو ہے نخلِ حنا میرے بعد!

سوگواری میں حسینوں نے بڑھائے جھولے
کتنی بے کیف ہے ساون کی فضا میرے بعد؟

کیوں ندامت سے تہِ خاک گڑا جاتا ہوں؟
تم نے کس دل سے مجھے یاد کیا میرے بعد؟

قبر پر لائے چڑھانے کو مری آئینہ
یُوں اٹھی میّتِ اندازو ادا میرے بعد؟

بھول جاتے ہیں وہ اب روز لگانا مہندی
روز پسنے کو ترستی ہے حنا میرے بعد!

مر کے کیا چین ملے اب یہ خلش ہے طالبؔ
باوفا بن گئے اربابِ جفا میرے بعد!



پھر سرِ بام وہی طور کے ساماں کر دے
اپنے جلوؤں کو ذرا اور نمایاں کر دے

جنبشِ ناز سے پھر بال پریشاں کر دے
ظلمتِ کفر کو سرمایۂ ایماں کر دے

تو نگاہوں کو نہ تکلیفِ پشیمانی دے
درد کم ہو نہیں سکتا تو فراواں کر دے

کر کے تجدیدِ وفا، غمکدۂ شوق میں آ
آ ذرا گردشِ گردوں کو پشیماں کر دے

دل بھی تُو روح بھی تُو، جسم بھی تُو، جان بھی تُو
آج میں خود سے مخاطب ہوں ذرا ہاں کر دے!

رات ہنستی ہے اُٹھا دے رُخِ روشن سے نقاب
ماہِ کامل کو چراغِ تہِ داماں کر دے!

یا تو وہ ختم کرے ذکرِ عدو فکرِ عدو
یا کسی طرح اُسے بھی مرا ارماں کر دے

ہے خودی میں بھی دُوئی اور جلا اور مٹا
داغ یہ دل میں دیا ہے تو درخشاں کر دے

ہے گراں فطرتِ آزاد پہ قیدِ ہستی
کاش طالبؔ کوئی جینے سے ہراساں کر دے



مژہ پہ اشکِ وداعی نگاہ نیند بھری
اُفق پہ دیکھ رہا ہوں ستارۂ سحری!

نہ آئیں وہ تو اُنہیں چین سے سُلا ہی دے
سرودِ خواب ہی بن جائے نالۂ سحری

لباسِ ہستئ موہوم کے اُڑا پُرزے
وگرنہ کارِ عبث ہے یہ شغلِ جامہ دری

نگاہِ شوق کو پابندِ درسیات نہ کر
دلیلِ راہِ تجلّی ہے کاوشِ نظری

مشاہدات کی دُنیا کو چھاننے والے
تخیّلات میں کر صَرف قوّتِ بصری!

نہاں ہیں سیکڑوں سُورج حقیر ذرّوں میں
بلند کر کے ذرا دیکھ مطمحِ نظری!

ستارے ٹوٹ رہے ہیں سیاہ بختی کے
وہ آ رہے ہیں ٹھہر جائے گردشِ قمری!

شفق ہے عکس مری خوں شدہ تمنّا کا
اُفق پہ نقش ہے تصویرِ نالۂ سحری!

لبِ خموش کو آمادۂ فغاں کر دے
غذائے رُوح ہیں طائب صدائیں دردبھری!



لبِ خموش کو شکوہ شناس آہ کیا
یہ آج کاوشِ پنہاں نے کیا گناہ کیا؟

ادا حجاب کے سانچے میں بن گئی بجلی
حیا نے نیم نگاہی کو بے پناہ کیا!

نگاہِ شوق نے ہر چیز میں تمہیں دیکھا
ہزار بار خود اپنے پہ اشتباہ کیا!

فلک کو کوس رہا ہوں، نصیب سے ہے گلہ
یہ کس زباں سے کہوں آپ نے تباہ کیا؟

ہوس نے پھونک دیا خرمنِ سکوں طالب
ہزار بار محبّت نے انتباہ کیا!



نوائے آرزو سُن لیں نگاہوں کو زباں کر لیں!
وہ چاہیں تو خموشی سے مرتّب داستاں کر لیں

یہ کیا تقدیر ہے؟ جب آشیاں کو صبر کر بیٹھوں
قفس کی تیلیوں سے ساز یارب بجلیاں کر لیں!

مری قسمت میں مرنا تھا اب اس کا ذکر ہی کیا ہے
جفاؤں سے وہ کیوں توبہ نصیبِ دُشمناں کر لیں؟

اِدھر صیّاد کی یورش یہاں آندھی وہاں بجلی
ٹھکانا چار تنکوں کا کدھر ڈھونڈیں کہاں کر لیں

نظامِ دہر کیوں بدلے؟ اگر قسمت مری جاگے!
ستاروں کو مخاطب کیوں تری انگڑائیاں کر لیں؟

اب آخر تا بہ کے ذکرِ چمن فکرِ چمن ہمدم ؟
قفس ہی میں نہ گنجائشِ بقدرِ آشیاں کر لیں

نہ وہ آئیں نہ دم نکلے یہ مجبوری ارے توبہ !
دمِ آخر مخاطب دشمنوں کو ہچکیاں کر لیں !

پلٹ جائے مری کشتی کنارے کے قریب آکر
مخالف آندھیوں سے آہ سازش بادباں کر لیں !

جلانا کب گوارا ہے وُہ خود معذور ہیں طالبؔ !
خدا کیونکر نگاہِ شرمگیں سے بجلیاں کر لیں ؟

نذرِ میرؔ

ساون کی پُروائی نے اک دُکھتی چوٹ دِکھائی ہے
کیسے آنسو اُمنڈے ہیں جب یاد تمہاری آئی ہے؟

آنکھوں سے اوجھل ہو کر دل کو اپنی یاد دلائی ہے
دِل ہی میں آ بیٹھے ہو، یہ اور قیامت ڈھائی ہے!

آہیں سرد ہوئی جاتی ہیں تم آئے یا صُبح ہوئی
چاند کی رنگت پھیکی ہے تاروں پہ اُداسی چھائی ہے!

اک سناٹا سا طاری ہے چار پہر کے تڑکے سے
خیر تو ہے! یہ آج مریضِ ہجر نے کیا ٹھہرائی ہے؟

دُنیا کا دستور یہی ہے دل یوں کب تک روئے گا
اِن اچھی صُورت والوں نے کس سے پریت نبھائی ہے؟

بادل چیخ اُٹھا ہے بجلی ٹوٹ پڑی ہے تھرّا کر
جب ہم نے اپنی برسی برسائی آنکھ اُٹھائی ہے!

جسم کے اندر دِل کی بے چینی سے یہ معلوم ہوا
اس گھر میں سب چیزیں اپنی ہیں یہ چیز پرائی ہے!

اب مرنا بھی مشکل ہے وہ پوچھ رہے ہیں بالیں پر
"کس نے اس کو یاد کیا ہے؟ کیسی ہچکی آئی ہے؟"

تم آخر کیوں کُڑھتے ہو طالبؔ کے رونے دھونے پر
دُنیا اس پر ہنستی ہے سب کہتے ہیں سودائی ہے



ایک جلوے کو بہر رنگ تماشا کرنا
کیا یہی ہے نگہ شوق تمنا کرنا

پھر جھکا کر نگہ ناز کو اونچا کرنا
پھر ذرا دل سے تڑپنے کا تقاضا کرنا!

ضبط آساں ہے تڑپنے کا سلیقہ بھی تو سیکھ
بوالہوس! کھیل نہیں کوئی تمنا کرنا!

چھپ کے آنکھوں سے نگاہوں میں پھرا کرتے ہو
تم سے آیا ہی نہیں اصل میں پردا کرنا!

صرف یہ بات ہے منصور نہ کہدے کوئی
ورنہ مشکل نہیں لفظوں کو فسانا کرنا!

بارشِ جلوہ کسی طور کی پابند نہیں
سیکھ لے تو بھی سلیقہ سے تقاضہ کرنا

اے مرے زود فراموش تجھے یاد بھی ہے
خلوتِ ناز میں وہ اشک بہایا کرنا

کوئی بھی بات نہیں دہر میں مشکل طالبؔ
صرف انسان سے آجائے ارادہ کرنا

شراب و شباب

پھر لبِ بام آ گیا کوئی برافگندہ نقاب!
شرم سے پھر منہ چھپاتا ہے سرِ شام آفتاب!

روک دیتا ہے تری موجِ تبسم کو حجاب
یا کسی سربند شیشے میں مچلتی ہے شراب!

اور کچھ انگڑائیاں لے کر ستارے روک دے
اور سمجھا دے ذرا دُنیا کو مفہومِ شباب!

چاند روشن ہی سہی، لیکن دکھائے تو سہی
یہ تری الہڑ ادائیں، یہ تبسم یہ حجاب!

یہ تری مے بار آنکھیں، یہ مری میکش نگاہ
ہاں ترے صدقے مرے ساقی پلائے جا شراب!

زندگی کی نیند سے اُٹھنا نہ ہو کیوں ناگوار
خواب پھر ایسا مسلسل، اس قدر رنگین خواب!

کیوں نہ ہوں طالبِ تغزّل میں مرے رنگینیاں
ہے حریمِ ناز میں میرا تخیّل باریاب!



محبّت نے بہت سے واقعاتِ غم چھپائے بھی
چھپائے بھی زبانِ حال سے اکثر سنائے بھی!

نہ تم آؤ، نہ نیند آئے، نہ موت آئے، نہ دن نکلے
شبِ وعدہ کسی صُورت سے آخر چین آئے بھی؟

یہ نکلا دم، یہ اکھڑی سانس، لو اب تو چلے آؤ
کہ ایسے میں تو ہو جاتے ہیں سب اپنے پرائے بھی

دمِ آخر وہ یہ کہہ کہہ کے مرنے بھی نہیں دیتے
علاجِ درد ممکن ہے یہ کچھ منہ سے بتائے بھی!

مہک اٹھتی ہے پچھلی رات جن معصوم نیندوں سے
خوشا قسمت وہ اُن نیندوں سے جاگے اور جگائے بھی!

شبِ فرقت انھیں تو کیا غرض ہے وہ تو کیوں آئیں؟
اجل ہی آئے ایسے ہیں۔ کہیں کمبخت آئے بھی!

کسی گیسو پریشاں نے سحر ہونے نہ دی طالبؔ
قمر ڈوبا بھی پچھلی رات تارے جھلملائے بھی!

حدیثِ شوق

آجا سکونِ دردِ تمنّا لِئے ہوئے !
پلکوں کی اوٹ قُلزمِ صہبا لئے ہوئے !

ہر جنبشِ نگاہ تقاضا لِئے ہوئے !
ہر بے کلی تخیّلِ لیلا لِئے ہوئے !

پھر لَوٹ لے خدا کے لِئے دولتِ سکوں
گیسو بدوش ساغر و مینا لِئے ہوئے !

آ ! اے بہارِ باغ کہ پھر منتظر ہے آج !
نرگس کی آنکھ ذوقِ تماشا لِئے ہوئے !

لِلّٰہ دو قدم اُسی انداز سے خرام
ہر گام پر ہوا کا سہارا لِئے ہوئے !

آ غمکدے میں پھر اُسی عنوان سے در آ !
صد شکوہ ہائے جورِ اعزّا لئے ہوئے !

ہاں پھر وہی تبسّمِ مجبوب زیرِ لب !
عارض کی سُرخیوں میں فسانہ لئے ہوئے !

پھر پھیر لے خدا کے لئے یک بیک نگاہ
دِل میں غبارِ رنجشِ بے جا لئے ہوئے !

ہاں ابتداء سے پھر وہی طالبِ حدیثِ شوق
آجا ! سکونِ دردِ تمنّا لئے ہوئے !



جزو کو کُل سے جدا کر کے اَنا کہہ دیجیے
ورنہ جس چیز کو جی چاہے خدا کہہ دیجیے

یُوں بھی اک جبرِ مسلسل کی ہے تمثیلِ حیات
ایک مجبوریِ آخر کو قضاء کہہ دیجیے

اعتبارات محبت کا وفا نام سہی
کشمکش ہائے تمنّا کو جفا کہہ دیجیے

دیکھتے ہی مجھے مُنہ پھیر لیا جاتا ہے!
اس ادا کو بھی تقاضائے حیا کہہ دیجیے

دلفریب آپ کی صُورت کو کیا حُسن دیا
یہ بھی جو کچھ کیا میں نے ہی کیا کہہ دیجئے!

ہم نے مانا کہ خدائی بھی سہی بلکہ جمال
آپ للّٰہ خُدا کو تو خُدا کہہ دیجئے

دِل کو باور نہیں آتا یہ زبانی اقرار
آپ اس "ہاں" کو نگاہوں سے ذرا کہہ دیجئے!

طالب داد ہوں اور آپ سے ہوں طالب داد
پھر اُسی طرح سے "کیا خوب کہا؟" کہہ دیجئے!



پہلے تو آفتاب بنایا شباب نے !
پھر اُس میں چار چاند لگائے حجاب نے !

اب کیا کہوں ؟ کہوں نہ کہوں کشمکش میں ہوں
مارا ہے دِلفریبیٔ طرزِ خطاب نے !

نظّارہ سوز روئے تجلّی نہیں رہا !
خوُد دیکھنے کی چیز بنایا نقاب نے !

لی کچھ ازل میں حسُن سے سوُرج نے روشنی
سوُرج سے کسبِ نُور کیا ماہتاب نے !

پھر تشنۂ ستم ہیں مری بے قراریاں !
پھر سر چڑھا لیا کرمِ بے حساب نے

کہنے لگے کہ کل کے لئے بھی تو چھوڑیئے
جب داستانِ شوق کہی اضطراب نے!

طاؔلب کسی کے سامنے اُٹھ ہی نہیں سکی
ناکام ہی رکھا نگہِ انتخاب نے!



صورت شوخ نگاہیں چنچل، آنکھوں میں دُنبالے سے
ہرنی بھی شرما جائے اُس بانکی چتون والے سے

دل میں کون چبھوتا رہتا ہے یہ ہر دم بھالے سے
مل جائے تو پوچھوں اُس شرمیلی آنکھوں والے سے

اوّل اوّل ہوتے ہیں یہ قاتل شوخ ستمگر بھی!
کیسے سیدھے؟ کیسے سچّے؟ کیسے بھولے بھالے سے؟

روئے نازک کے گرد سنہرا آنچل ایسے چمکا ہے
جیسے چاند کے پاس نظر آتے ہیں اکثر ہالے سے!

دل سے اکثر ایسے باتیں ہوتی ہیں تنہائی میں
جیسے کوئی سیکھ رہا ہو عقل کسی متوالے سے!

بجلی ہے یہ موجِ تبسّم اے دِل یُوں مدہوش نہ ہو!
ناگن بن کر ڈستے ہیں یہ گیسو کالے کالے سے!

جاتے جاتے روک کر ایسے باتیں کرتا ہوں
جیسے کوئی وقتِ آخر لینے لگے سنبھالے سے!

تاروں کی چشمک یہ عروسِ سحر تبسّم کرتی ہے!
سُورج کسبِ نور کیا کرتا ہے اُسی اُجالے سے!

دیوانہ ہے دیوانہ، طالبؔ کو عبث سمجھاتا ہے
عشق کی ٹھوکر کھا کر بھی سنبھلا ہے کوئی سنبھالے سے!



قلب میں موجود ہے گو آنکھ سے مستُور ہے!
یہ کسے احساس ہے تو پاس ہے یا دور ہے؟

پرُدہ داری میں بھی رسوائی تجھے منظور ہے!
ورنہ خود انصاف سے کہدے کہ تو مستُور ہے؟

ایک صُورت بن گئی ہے جس کی دُھندلی روشنی
دِل کی وہ خاموش چنگاری چراغِ طُور ہے!

شمع بھی جلتی ہے ہر محفل میں پروانے کے ساتھ
عِشق کی مجبوریوں سے حُسن بھی مجبُور ہے

تجھُ کو کیا معلوم زاہد فطرتِ برقِ جمال
جو شکستہ قلب ہے وہ نور سے معمور ہے

بزم پر ڈالی تھی اُس نے ایک مستانہ نگاہ
اب جدھر دیکھو جسے دیکھو، وہی مخمور ہے

دیکھنے والوں کا پردہ رکھ رہی ہے خود نقاب
بے محابا دیکھ لے اُس کو کسے مقدور ہے

خود بھٹکنا چاہتا ہے ہر قدم پر پائے شوق!
دن چھپا جاتا ہے طالب اور منزل دُور ہے!



یہ عمرِ ہجر اگر صرفِ انتظار نہ ہو!
تو واقعی مجھے ہستی کا اعتبار نہ ہو!

مجھے نہیں ہے اگر اُن پہ اختیار نہ ہو!
اُنھیں بھی یہ دلِ بے تاب سازگار نہ ہو!

وہاں وہ خوش کہ مجھے اُن سے کچھ گلہ ہی نہیں
یہاں یہ پاس کہیں راز آشکار نہ ہو!

رہا سہا بھی دلِ زار کا قرار گیا!
وہ بار بار یہ کہتے ہیں "بے قرار نہ ہو"

ہر ایک دامنِ گل پر فلک کے آنسو ہیں
خزاں کی موت سے یوں زینتِ بہار نہ ہو"

جفا ہوئی نہ وفا اب وہ سیکھتے ہیں حیا
خدا کرے یہ ارادہ کبھی استوار نہ ہو!

نہ گائیں عشق کے نغمے جو بلبلیں طالب
چمن میں گل نہ کھلیں موسمِ بہار نہ ہو



جتنا ترے قریب کھنچا آ رہا ہوں میں !
اُتنا ہی خودُ سے دُور ہُوا جا رہا ہوں میں !

صدقے سکوتِ ناز کے پچھتا رہا ہوں میں !
یہ تم سے آہ کس نے کہا ! جا رہا ہوں میں ؟!

اُٹھ اُٹھ کے بیٹھتا ہوں ہر آہٹ پہ بار بار
کیسا خیالِ خام کو بہلا رہا ہوں میں ؟

وہ تو ذرا سی بات سنی اور ہنس دیئے
راتوں اسی خیال میں روتا رہا ہوں میں !

اب یہ کِسے خبر ہے کہ منزل گذر گئی ؟
لے جا رہا ہے شوق چلا جا رہا ہوں میں !

پھر دُور ہو گئی لبِ ساحل کی روشنی !
اللہ ! کس طرف یہ بہا جا رہا ہوں میں ؟

طالبؔ پھر ایک شمع فروزاں سے لاگ ہے
پھر آتشِ خیال کو بھڑکا رہا ہوں میں !



کچھ دیر ذرا اور ابھی صُبح کے تارے
جا اپنا چھپالے کہیں منہ شرم کے مارے

ضَو ریز یہ افشاں ہے کِسی شوخ جبیں پر
یا چاند کے نزدیک چمکتے ہیں ستارے

اُف اُس کے بچانے کے لِئے کوششِ عیسٰی!
زندہ ہو جو بیمار اجل ہی کے سہارے

وہ درد کو سمجھے ہیں دوائے دلِ رنجور
تحریر ہی اُلٹی ہے مقدّر کی ہمارے

تسکینِ تصوّر ہے خیالِ دمِ رُخصت
ہرچند رُلاتے ہیں یہ پُرکیف نظارے

اشکوں میں وہ ڈوبی ہوئی غمگین نگاہیں !
اک جبر کی تمثیل وہ انداز تمہارے !

لو وہ بھی چلے آئے پئے پرسشِ بیمار
اب موت اِس احساں کو اتارے اُتارے !

اُف نور کی آغوش میں طالب وہ شب کیف
وہ چاند نہاتا ہوا دریا کے کنارے !



مذاق کچھ عاشقی نہیں ہے خدا بھی اس سے بری نہیں ہے
جسے محبت کی خو نہیں ہے وہ آدمی آدمی نہیں ہے

خیال میں مسکرا رہا ہے نگاہ میں جگمگا رہا ہے
حریمِ خلوت کے ماہِ تاباں، حجاب کچھ دل لگی نہیں ہے

حیا کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں جوان رعنائیوں کے شعلے
یہ کمسنی کمسنی نہیں ہے۔ یہ سادگی سادگی نہیں ہے!

یہ ضبطِ غم کی پہاڑ راتیں، یہ دل سے دیوانہ وار باتیں
کہ بزدلی شرطِ زندگی ہے تو خودکشی بزدلی نہیں ہے!

عذابِ دوزخ کے ڈر سے توبہ، برائے حور و قصور سجدے
یہ تیری اُجرت طلب عبادت فریب ہے بندگی نہیں ہے!

سمجھ نہ اپنے کو نقشِ فانی دِکھا کوئی کارِ غیر فانی
کہ وقفۂ عمرِ رفتنی ہے، یہ زندگی عارضی نہیں ہے!

نہ کر محبّت کا نام گندہ یہ فرق اے بوالہوس سمجھ لے
کہ نفس کی سرخوشی سے تعبیرِ رُوح کی آگہی نہیں ہے!

لطافتِ روح پر گراں ہے یہ خرقۂ مستعارِ ہستی
کہ میری مجبوریوں میں شامل وہ اختیاری ہنسی نہیں ہے

فتادۂ جادۂ وفا ہوں، خیالِ منزل کسے ہے طالب
کہ دِل ابھی کیف آشنائے کمالِ گم گشتگی نہیں ہے!

رُباعیات

(۱)

تقویمِ جہاں کے انقلابات فریب
تنظیمِ ازل پہ اتہامات فریب!
اپنے ہی کو دیکھ اپنا ماحول نہ دیکھ
تو خود ہے فریب تیری ہر بات فریب!

(۲)

ہو گی دُنیا سرائے فانی ہو گی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی ہو گی
باتوں میں نہ کاٹ رات ہی کتنی ہے
یہ سوچ کہ کل کہاں جوانی ہو گی؟

(۳)

چڑھتی ہوئی دھوپ نوجوانی ہو گی
ڈھلتی ہوئی چھاؤں عمرِ فانی ہو گی
ہمدم للہ کل کے قصوں کو نہ چھیڑ
یہ آج کی بات کل کہانی ہو گی

(۴)

اے عقدہ کشائے سازو بازِ من و تو
آتا ہی نہیں سمجھ میں رازِ من و تو
تو مجھ سا نہ بن مجھے بنالے خود سا
آخر کب تک یہ امتیازِ من و تو؟

(۵)

مدہوشِ خیال! کس طرف بہکا ہے
دُنیا کو پسِ نقاب کیا سمجھا ہے؟
تیری ہی نگاہ نور بھر دیتی ہے
ہر مہر فریب ہر قمر دھوکا ہے!

(۶)

ہنس ہنس کے ترا ستم اٹھایا دُنیا!
رو رو کے تجھے گلے لگایا دُنیا!
تو اور وفا کرے یہ خوش فہمی ہے!
دُنیا! تجھے خوب آزمایا دُنیا!

(۷)

پہروں خاموش اسی طرح سوچا کر
دن رات یونہی نصیب کو پیٹا کر!
جو وقت گذر گیا وہ کب آتا ہے؟
اُن لمحوں کے خواب عمر بھر دیکھا کر!

(۸)

باطن دیکھو تو خون کا پیاسا ہے
ظاہر میں مگر خلوص کا پُتلا ہے!
کرتا ہے کچھ اور منہ سے کہتا ہے کچھ اور
انسان حقیقتاً" بڑا دھوکا ہے!

(۹)

ہر رنگِ فریب کو حقیقت سمجھا
ہر درد کو بیخودی میں راحت سمجھا!
اُف! ہوش گنوا کے دِل نے سمجھا بھی تو کیا
تقدیر کے کھیل کو "محبت" سمجھا!

(۱۰)

حوروں میں بسر شبِ جوانی ہوگی
حوضوں میں شرابِ ارغوانی ہوگی!
ہر چیز ملے گی، واعظا یہ تو بتا!
جنّت میں کوئی "سرائے فانی" ہوگی؟

(۱۱)

ہم رنگِ شراب چرخِ مینائی ہے
مستی سی فضا میں ہر طرف چھائی ہے
ساقی! اللہ کم سے کم ستّر دَور
ستّر دن بعد آج عید آئی ہے!

(۱۲)

کیوں مجھکو کیا گیا گرفتارِ حیات؟
کیوں مجھکو دیا گیا یہ آزارِ حیات؟
کیا موت سے امید اٹھائیگی وہ کیوں
جب مجھکو گذرتا ہے گراں بارِ حیات!

(۱۳)

ساقی! سحرِ عید ہے اُٹھ اے ساقی!
رحمت کا نزول ہے فرشتوں میں خوشی
مخمورِ صیام جاگ! کروٹ نہ بدل!
لا جامِ شراب جا رہی ہے سحری!

(۱۴)

مستی میں نمازِ عید بیشک چھوٹی
مستی کی مگر بہار کس نے لوٹی؟
روزہ تو کوئی ترانہ ٹوٹا اے شیخ!
ٹوٹی تو بلا سے میری توبہ ٹوٹی!

(۱۵)

تا کسے نہ رسید گوشت افسانۂ من
تا کسے نہ شنید حالِ دیوانۂ من
آں چیز کہ قلقلِ صراحی نامند
طالب ہمہ اوست ذکرِ مستانۂ من!

(۱۶)

در بارگہت بسد نیاز آمدہ ایم
وز جوشش اشک دل گداز آمدہ ایم
مارا ایں باراذنِ یک سجدہ بدہ
از قصدِ نماز باز باز آمدہ ایم!

(۱۷)

قسمت سے عبث ہے نارسائی کا گلہ
گردوں سے ہے جھوٹ کج ادائی کا گلہ
یوں کون کسے تباہ کر دیتا ہے؟
اپنے دل سے ہے بیوفائی کا گلہ!

(۱۸)

ہر لمحہ عذاب عمرِ فانی کے لئے
ہر فعل گناہ نوجوانی کے لئے!
مطلق غم و جبر سے عبارت ہے مگر
دُنیا مرتی ہے زندگانی کے لئے!

(۱۹)

کہتے تھے چمن میں نونہالانِ بہار
اے جانِ بہار، روح و ریحانِ بہار!
ہر پھول کا رنگ عارضی دھوکا ہے
لٹنے کے لئے ہے سب یہ سامانِ بہار!

(۲۰)

کثرت میں نہاں حقیقتِ وحدت ہے
جلوت ہی کا نام دوسرا خلوت ہے
کوتاہیٔ عقل کے یہ اللہ رے فریب
ہر نور کو کہہ رہا ہے دل ظلمت ہے!

(۲۱)

ہر صحنِ چمن گلوں کا اک مدفن ہے
اشکِ شبنم سے زینتِ گلشن ہے
ہر شے کو بغور دیکھ اے جانِ نشاط
رنج و راحت کا یہ جہاں مسکن ہے!

(۲۲)

ہر بات کے ساتھ یاد آنے والے
ہر یاد کے ساتھ خوں رُلانے والے
تقدیر کی بدلیوں سے باہر آجا
تاریکیٔ شب میں جگمگانے والے

(۲۳)

سو خضر کی جاوداں حیاتوں کی قسم
پیاری پیاری تمہاری باتوں کی قسم!
تم سے چھٹ کر عذاب ہے قیدِ حیات
ارمان بھری جوان راتوں کی قسم!

لخت لخت

لفظ تو ملتے نہیں اظہارِ محسوسات کو!
اب وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں میرے دل کی بات کو!

اب تو آجاؤ عیادت کے لئے بہرِ خُدا!
اب تو دُشمن بھی شریکِ فکرِ درماں ہو گئے!

نیچی نظریں ہوں، زباں بند ہو، غیروں کو سلام!
اُنکی محفل کے تو آئیں گے نہ آداب مجھے!

میری قسمت میں نہیں تُم تو پھر اللہ کرے
غیر ہو جائے شریکِ غمِ ہجراں میرا!

زندگی کو موت ہے، جب زندگی خود ہو فریب
موت بھی گویا فریبِ ہستئِ موہوم ہے!

کیا خاک اس مرض کی کوئی دوا بتادے
وہ بات چاہتا ہوں جو درد کو بڑھادے

گذار دی شبِ وعدہ یہ دل سے کہہ کہہ کر
وہ دیکھ! ابکے تو سچ مچ ہی کوئی آتا ہے!

ایک چٹکی کی ہوس ہے، حسرتِ پروانہ ہے
میں کسی ترکش میں ایک بھولا ہوا سا تیر ہوں

درحقیقت خود نمائی وجہِ خلقت تھی مری
کوششِ تشریح میں اُلجھی ہوئی تقریر ہوں!

مجھکو یہ پاسِ ضبط کہ لب کھولنا گناہ
اُن کو یہ آرزو کہ کوئی التجا کرے!

بیخودی میں ہم تو تیرا در سمجھ کر جھک گئے
اب خدا معلوم کعبہ تھا کہ وہ بتخانہ تھا؟

چھپی جاتی ہے منزل ہی غبارِ راہِ منزل میں
مری قسمت شریکِ کارواں معلوم ہوتی ہے!

یہ تم خاموش سے کیوں ہو گئے سُنکر مری حالت؛
نہیں بھی کیا پشیمانی نظر آتی ہے درماں میں؟!

یہ مجھ سے شکایت ہے یا میرے مقدر سے؟
روٹھے ہوئے بیٹھے ہو تم بات تو بتلادو!

ہو العزیز

تمہیں دیا نہ مجھے دل پہ اختیار دیا
خدا نے لوٹ لیا آدمی بنا کے مجھے

ہو القادر

ہم سے بھی پوچھو شبِ غم کس طرح کٹی
تم نے تو کہہ دیا کہ ہمیں نیند آ گئی!



ہوالعزیز

مرنے کو ترستا ہوں وہ ایسے نہیں آئے
جینا ہی مرا کیا ہے جو اک بات نبھالے

دل میں اُتر آئی ہے نگاہوں سے سمٹ کر
کس درجہ حیا کوش ہے تصویر کسی کی

خطاطی عبدالرحمٰن لاہور



شکوۂ جور کا یہ ناز سے ملتا ہے جواب
" جاؤ بھی آئے بڑے بات بنانے والے

کوئی نومشق نہ کہہ دے غلط اندازی پر
یوں نگاہیں نہ چرا تیر چلانے والے!

جب مقدر بدل نہیں سکتا
صبر کیوں دل کو آ نہیں جاتا؟

شرم کے پردے میں یہ نفرت کہ مجھکو دیکھ کر
پھیر لیتے ہیں وہ روئے ناز"۔ کیا انداز ہے؟"

اُن سے پُوچھا نہ گیا مجھ سے سُنایا نہ گیا
حالِ دل اتنا چھُپا کر بھی چھپایا نہ گیا

مرنے کو ترستا ہوں، وہ آئیں تو موت آئے
جینا ہی مرا کیا ہے؟ اک بات نبھانا ہے!

دل میں اُتر آئی ہے نگاہوں سے سمٹ کر
کس درجہ حیا کوش ہے تصویر کسی کی؟

جستجو میں ہر قدم پر ایک مشکل چاہیئے
شوق! تجدیدِ خلشِ منزل بہ منزل چاہیئے!

دُنیا ہی کو خود جنتِ فردا نہ بنا دیں
وہ چاہیں ذرا اِس آج کو ہم کیا نہ بنا دیں!؟

ادائے پُرسشِ احوال واہ کیا کہنا!
زباں کو وقفۂ اظہارِ مدعا نہ دیا!

بیٹھا ہے وہ بالیں پر یہ اور قیامت ہے
اب موت پشیماں ہے اُس زود پشیماں سے!

اب آگے سے پچھلی باتیں ٹھیرو! میں دُہراتا ہوں
تم جو کہتے کہتے بھُول گئے ہو یاد دلاتا ہوں!

دیکھا نہیں جاتا ہے۔ مگر دیکھ رہے ہیں
ہم ہمتِ اربابِ نظر دیکھ رہے ہیں

ایک جنت کے لِئے اتنا الم! اے شیخ حرم!
کاش ہوتی تری قسمت میں خرابات کی رات!

آپ سے ایفائے وعدہ کی اُمید؟
جی! بجا۔ آپ آئیے گا؟ جائیے!

جانے کے لئے سامنے بیٹھے ہیں وہ مجبور
اُٹھ اُٹھ کے گلے ملتی ہیں غمگین نگاہیں!

اب میں ہوں اور قلب کی پیہم ملامتیں
آنکھوں نے آہ دیکھ لیا کیوں تمہیں اُداس؟!

گُنَد دُورم زتو گردونِ فتنہ ساز چوں گردد
مگر دردِ محبت از غمِ دوری فزوں گردد

اک اشک رات اندھیری فضا کو سونپ دیا
تمہیں خیال کے پردے میں الوداع کہا!

یہ کہہ کے مہر لگادی لبِ شکایت پر
"ہمیں نہیں تو کسے آپ سے محبّت ہے؟!

پھر آہ نکل جائے گی، ہو جاؤ گے مغموم!
کیوں کھیل رہے ہو مرے دُکھتے ہوئے دل سے!؟

دل میں اُس وقت آپ ہوتے ہیں
آنکھ جس وقت ڈبڈباتی ہے!!

وہ روک رہے ہیں مجھے دل روک رہا ہے
پھر بھی مری تقدیر کی گردش نہیں رُکتی!

افسردگی سے میری تمہیں کیوں ہراس ہو؟
مانا کہ میں اُداس ہوں، تم کیوں اُداس ہو؟

موت کو مجھ سے شرم آئی ہے،
زندگی کیا ہے؟ بے حیائی ہے!

بیمار ہو، کہ وقفِ غمِ انتظار ہو؟
یہ آج تم خیال میں کیوں بے قرار ہو؟

کان آہٹ پر آنکھ چوکھٹ پر
اُف ترے اِنتظار کی گھڑیاں

باندھ کر عہدِ وفا، میرے مقدر کی طرح
یوُں پلٹ جاؤ گے! تم سے تو یہ اُمید نہ تھی

تاریک ہے تخیّل فرقت کی تیرگی میں !
اک چاند ڈھونڈتا ہوں تاروں کی روشنی میں !

جنبشِ ناز سے لرزش ہوئی آویزوں میں
بجلیاں لوٹ گئیں عارضِ جاناں کے قریب !

یہ ہچکیوں میں کیسی اُلجھن بڑھا رہے ہو؟
تم یاد کر رہے ہو؟ یا یاد آ رہے ہو ؟

دُنیا خلاف، آپ خفا، خندہ زن نصیب !
ترسا رہی ہے موت . یہ کیا زندگی ہوئی ؟ !

ہم سے بھی پوچھ لو، شبِ غم کس طرح کٹی ؟
تم نے کہہ دیا کہ " ہمیں نیند آگئی ! "

پلکوں کو مسلسل جنبش سے روکو آنسو گِر جائے گا !
للہ قصور معاف کرو ! اب شکوہ نہ لب پر آئیگا

یوں پردۂ اُفق میں مستور ہو رہے ہو
دل کھنچ رہا ہے جتنے تم دُور ہو رہے ہو

تمہیں دیا نہ مجھے دل پہ اختیار دیا!
خدا نے لوٹ لیا آدمی بنا کے مجھے

پلکیں بھی اُٹھا لو، نگہِ ناز کے صدقے!
یوں آپ کے اقرار سے تسکیں نہیں ہوتی!

حُسن کہتے ہیں اِسے۔ دیکھ چکے آئینہ؟
آؤ! اب حُسن کے معنی تمہیں ہم سمجھا دیں!

محوِ غم، وقفِ الم، نذرِ ستم، یہ دو تین،
سرخیاں لکھی ہیں۔ میری کوئی تقدیر بھی ہو!

جس طرح تم مجھے بھُلا بیٹھے
کاش میں بھی تمہیں بھُلا سکتا!!

دیکھ کر اُن کو کھُلی آنکھ، خوشا قسمتِ عشق
ہوش بن کر وہ پسِ خوابِ پریشاں آئے!

جب دل کو کوئی وجہ شکایت نہیں رہی
میرے خیال میں تو محبت نہیں رہی !!

دم بھر کی جُدائی سے جو ہو جاتے تھے مغموم
اب آنکھ اٹھانا بھی گوارا نہیں اُنکو !

اُن کی نظریں ہی نہیں برق فگن نور مزاج
خرمنِ ہستئ عاشق بھی ہے کچھ طور، مزاج

متانت رُخ پہ لب ساکت نہ کچھ کہنا نہ کچھ سننا
سبق دیتی ہے ضبطِ عشق کا تصویرِ جاناں کی !

کس سے گِلہ کروں یہ مقدر کی بات ہے ؟
میں اس کے بس میں غیر کے وہ اختیار میں !

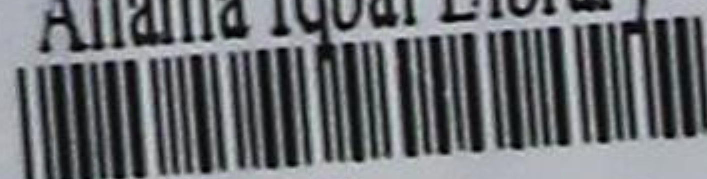
ساون سے تمہیں کیا نسبت ہے ؟ تم اتنے کیوں یاد آتے ہو ؟
ان ٹھنڈی ٹھنڈی بوندوں میں، ان بھوری مست گھٹاؤں میں !

دم سحر شام سے گلابی نیا نیا آفتاب کیوں ہو؟
تمہاری انگڑائیوں پہ آخر غرق عرق ہر گلاب کیوں ہو؟

نعرۂ لبیک سے لرزاں نفس کا ساز ہے!
دل دھڑکتا ہے کہ تیری مضطرب آواز ہے!

اُمید اسیری کی میعاد بڑھانا ہے!
خواہش تری کاوش میں جینے کا بہانا ہے!





دمِ سحر شام سے گلابی نیا نیا آفتاب کیوں ہو؟
تمہاری آنکھیں یوں پہ آخر عرق عرق سر گلاب کیوں ہو؟

نمودِ رنگ سے لرزاں قفس کا ساز ہے
دل [illegible] کہ تیری [illegible] آواز ہے

[illegible] اسیری کی [illegible] بڑھاتا ہے
خدا جانے تری گردش میں [illegible] ہوتا ہے
